ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

5 تا 11 جولائی 2001ء

☆ الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت...... (اداریہ)

☆ ایمان باللہ کے حصول کے ذرائع! (منبر ومحراب)

☆ پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کے اسباب؟ (تجزیہ)

اسلامی نظام کے قیام کا فطری طریق کار

''غیر اسلامی حکومت کا خاتمہ اور اسلامی نظام کا قیام ایسا مسئلہ نہیں جو جذباتی اور ہنگامی تحریک کے ذریعے ممکن ہو۔ اس جدوجہد کے حامل لوگ اگر اس کاوش کے دوران اپنی انفرادی اور تحریکی زندگی میں اسلامی احکامات اور اس کی تعلیمات کی خلاف ورزیاں کرنے لگیں اور اسلام ان کی اپنی زندگیوں میں نافذ نہ ہو سکے اور اس تحریک کے کارکنوں کی زندگیاں اسلام سے خالی بلکہ خلاف اسلام سرگرمیوں سے پُرنظر آنے لگیں تو اس طرح کی تحریکی جدوجہد سے اسلامی نظام ہرگز نافذ نہیں ہو سکے گا' بلکہ اسلام کے نام پر نفس پرستی کا نظام قائم ہوگا۔ اسلامی نظام کی تحریک کا فطری طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کے داعیوں اور کارکنوں کی روحانی' اخلاقی اور ذہنی تربیت کا عمل شروع ہو اور یہ عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو۔ ساری جدوجہد اس ایک مرکزی نکتہ کے تحت ہو۔ جب نیک' متقی' تربیت یافتہ افراد کا قابل ذکر طبقہ تیار ہوگا تو اس کے بعد حالات کی مطابقت سے اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ اسلام کی بالادستی کے لئے ہمہ گیر تحریک چلائی جا سکتی ہے''۔

''......اسلامی تعلیمات کا مرکزی نصب العینی نکتہ اللہ کے ساتھ تعلق کو مستحکم کرنا' اس کے ساتھ محبت کرنا اور اپنی پوری زندگی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں بسر کرنا اور اپنی ساری چاہتوں اور مسرتوں کو اس کے سپرد کرنا بلکہ اس کے لئے فنا ہو جانا ہے۔ یہ ایسا نصب العین ہے جو افراد کی ساری زندگی کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اور زندگی کا کوئی پہلو ایسا باقی نہیں رہتا جو اس کی اطاعت کے دائرے سے خالی ہو۔ اللہ کی یہ اطاعت اس کے ساتھ محبت کے تعلق کے بغیر ہونا ممکن نہیں۔ اللہ کے ساتھ بندوں کی محبت کا یہ تعلق جہاں ایک حد تک ذہن کی شعوری سطحوں سے تعلق رکھتا ہے' وہاں اس کا سب سے گہرا تعلق قلب کی گہرائیوں سے ہے''۔

[''تعلیماتِ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی'' حصہ اول' (مرتب: محمد موسیٰ بھٹو) سے ایک اقتباس]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الھدیٰ

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ البقرۃ (۲۴)

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ لا قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ لا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ o اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ o﴾ (آیات ۱۴' ۱۵)

''اور جب (منافقین اور یہود) ملتے ہیں اہل ایمان سے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے سرداروں کی طرف خلوت میں ہوتے ہیں تو انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' یہ تو ہم ذرا استہزاء کرتے ہیں۔ (اصل میں تو) اللہ ان کا مذاق اڑا رہا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے''۔

پہلی آیت میں منافقوں اور یہودیوں کی ریاکاری اور غلط طرزِ عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جب یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان ہوتے ہیں تو ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں لیکن جب علیحدگی میں اپنے سرداروں اور علماء کے پاس جاتے ہیں تو انہیں ہر طرح سے یقین دلاتے ہیں کہ اگرچہ ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں لیکن آپ قطعاً یہ نہ سمجھئے کہ ہم واقعی ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں تو ہم آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ عربی میں ''شطن'' اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت دور ہو جائے۔ چنانچہ جو اللہ کی رحمت سے بہت دور ہو گیا' وہ شیطان ہے۔ اسی کا ایک مفہوم غصے میں اندر ہی اندر جلنے کے حوالے سے بھی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں تو شیطان پر حسد کا شدید حملہ ہوا۔ اس نے بطور احتجاج کہا کہ میں آدمؑ کو سجدہ کیوں کروں' میں تو اس سے کہیں بہتر اور زیادہ فضیلت والا ہوں۔ اسی طرح یہود کے علماء بھی نبوت کے چھن جانے پر حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ نبوت و رسالت حضرت موسیٰؑ کے دور سے اب تک ہمارے اندر یعنی بنی اسرائیل میں ہی رہی ہے تو آج بنی اسماعیل پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیوں کر دیا۔ آنحضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لینا دراصل بنو اسماعیل کی برتری کو مان لینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنے لیڈروں کے پاس جاتے تو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے یہ بیان دیتے کہ ہم تو مسلمانوں کو بے وقوف بنانے اور ان کی تضحیک کرنے کے لئے خود کو مسلمان کہتے ہیں۔

دوسری آیت میں منافقین اور یہود کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید آئی ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کا استہزا نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصل میں تو اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کر رہا ہے۔ ان کی رسی دراز کر رہا ہے۔ عربی میں ''ع م ہ'' کا مادہ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو دل کا اندھا ہو۔ سرکشی کے باعث ان لوگوں کے دل تاریک ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی اندھیرے میں گھسیٹ رہا ہے۔

فرمانِ نبوی

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عدالت الٰہی

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ یَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِی عَلٰی نَحْوِ مَا اَسْمَعُ فَمَنْ قَضَیْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِیْهِ شَیْئًا فَلَا یَاْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ)) (رواہ البخاری)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً میں ایک انسان ہوں اور تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی دلیل میں دوسرے سے زیادہ ماہر ہو اور میں اس سے دلائل سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اور اگر وہ جانتا ہو (یعنی اس کا نفس گواہی دے) کہ یہ اس کا حق نہیں ہے تو وہ اپنے بھائی سے وہ چیز نہ لے کیونکہ ایسی صورت میں وہ اپنے حق میں مجھ سے آگ کا انگارہ لے کر جائے گا''۔

نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی دی ہے۔ ایک عام شہری سے لے کر سربراہِ حکومت' مربی' مدرس' منتظم' سپہ سالار اور منصف' ان تمام حیثیتوں میں آپ جو بھی فیصلے فرماتے تھے وہ شواہد اور فراست کی بنیاد پر ہوتے تھے۔ یہ لازم نہیں تھا کہ ہر موقع پر آپ کی رہنمائی بذریعہ وحی ہی کی جائے بلکہ آپ اللہ کی عطا کردہ ہدایت اور صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ زیر نظر حدیث میں جس چیز کا ذکر ہے وہ بھی اصل میں گواہی اور شواہد کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی چیز تھی اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دلائل کی بنیاد پر کسی چیز کو ثابت بھی کر دیتا ہے کہ اس پر اس کا حق ہے لیکن اس کا ضمیر یہ جانتا ہے کہ وہ حق پر نہیں ہے تو اگرچہ قانوناً تو اس دنیا میں وہ چیز حاصل کر لے گا لیکن اللہ کی عدالت میں تو فیصلے امر واقعہ کی بنیاد پر اور ان صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر کئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں سمو دی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان حق اور باطل کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ تو اگر اس کا دل یہ گواہی دے کہ وہ حق پر نہیں ہے تو قانونی تقاضے پورے کر کے یا کسی کو دھوکہ دے کر حاصل کی ہوئی چیز اس کے لئے اللہ کی عدالت میں جائز شمار نہیں ہوگی خواہ اس کے بارے میں فیصلہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی عدالت ہی سے حاصل کیا ہو۔ اسی حقیقت کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں رہنمائی فرمائی ہے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

جلد 10 شمارہ 24

5 تا 11 جولائی 2001ء

(۱۲ تا ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خان

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور
مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون:03-5869501 فیکس:5834000
E-Mail:anjuman@tanzeem.org
Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5 روپے

زر تعاون (اندرون پاکستان) :
سالانہ 225 روپے ششماہی 120 روپے

سالانہ زر تعاون (بیرون پاکستان):
☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر
700 روپے (12 امریکی ڈالر)
☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' امارات' بھارت'
بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' جاپان' یورپ
900 روپے (15 امریکی ڈالر)
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ
1400 روپے (25 امریکی ڈالر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
حافظ عاکف سعید

الیکشن' ممبری' کرسی' صدارت......

بلدیاتی انتخابات کا چوتھا مرحلہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اور یوں بلدیاتی انتخابات سے متعلق ۹۰ فیصد سے زائد کام مکمل ہو گیا۔ چوتھا مرحلہ اس اعتبار سے خاصا نازک تھا کہ اس میں پاکستان کے بعض بڑے شہروں بالخصوص لاہور اور کراچی میں انتخابی عمل کی تکمیل درپیش تھی۔ کراچی میں چونکہ ایم کیو ایم کے دونوں دھڑوں نے انتخابات سے انقطاع (بائیکاٹ) کا اعلان کیا تھا لہٰذا شدید اندیشہ تھا کہ اس موقع پر کراچی شہر ایک بار پھر شدید طور پر بدامنی اور ہنگاموں کی لپیٹ میں آئے گا، لیکن فوجی حکومت کی پیش بندی کے باعث صورت حال خاصی حد تک کنٹرول میں رہی۔ فوج نے اپنے ۴۵ ہزار جوانوں کی مدد سے شہر کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے کر ان انتخابات کے انعقاد کو ممکن بنایا، گو توقع کے عین مطابق ٹرن آؤٹ خاصا کمزور رہا۔

یہ انتخابات غیر سیاسی بنیاد پر ہوئے۔ اس میں حصہ لینے والے امیدواروں کو انتخابی نشان انفرادی حیثیت میں الاٹ کیا گیا، تاہم امیدواروں کی ایک بڑی تعداد کی مختلف سیاسی جماعتوں کے ساتھ وابستگی ظاہر و باہر تھی۔ لیکن امیدواروں کے لئے اپنی سیاسی وابستگی کے اظہار پر چونکہ پابندی تھی لہٰذا اس ابہام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک کی بعض سیاسی جماعتوں کو موقع مل گیا کہ اپنے کامیاب امیدواروں کے اعداد و شمار کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں۔ چنانچہ فوری طور پر انتخابی نتائج کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا خاصا دشوار نظر آتا ہے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ انتخابات میں میدان مارنے کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کامیابی کا تاج کس کے سر پر سجتا ہے۔

تاہم اس سارے فسانے میں ہمارے نقطۂ نظر سے غور طلب بات یہ ہے کہ انقلاب کا نعرہ بلند کرنے والی دینی سیاسی جماعتوں میں سے بعض کو اگر بالفرض لیلائے اقتدار کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہو بھی گیا تو کیا وہ نظام کو بدلنے اور کمترین درجے میں ہی سہی' یہاں کوئی انقلابی تبدیلی لانے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ پروفیسر طاہر القادری صاحب کا تو ذکر ہی چھوڑیئے کہ انہیں اپنے نام اور اپنی سیاسی جماعت کے ساتھ دین و مذہب کے حوالے سے کوئی تہمت کسی قیمت پر گوارا نہیں' قاضی حسین احمد صاحب تو اسلامی انقلاب کا نعرہ لگاتے اور دین و مذہب کے ساتھ اپنی قلبی و ذہنی وابستگی کے اظہار کو باعث فخر گردانتے ہیں' کیا قاضی صاحب یا ان کے کوئی نفس ناطقہ یہ بتا سکتے ہیں کہ بلدیاتی انتخابات میں چند سیٹیں لے کر وہ اسلامی نظام کے حوالے سے اس ملک میں کون سی مثبت انقلابی تبدیلی لا سکتے ہیں؟ محض چند انتظامی ہاتھوں کا بدل جانا تو ہرگز مفید مطلب نہیں ہو سکتا' بلکہ یہ تو موجودہ باطل اور استحصالی نظام کو جو جاگیرداری کی لعنت اور سودی معیشت کی نحوست پر استوار ہے' مزید تقویت دینے کا موجب ہوگا۔ قاضی صاحب اور ان کے رفقاء کا حافظہ اتنا کمزور تو نہیں ہو سکتا کہ جنرل ضیاء الحق کی قائم کردہ فوجی آمریت کے دوران جماعت اسلامی کو ملنے والی چند وزارتوں کی تلخ یادیں اتنی جلد فراموش کر دیں۔ جو چند وزارتیں جماعت اسلامی کے حصے میں آئی تھیں ان کے ذریعے نظام میں تبدیلی کا تو کیا امکان ہو سکتا تھا' سوائے بدنامی اور رسوائی کے اور کوئی شے جماعت کے حصے میں نہیں آئی تھی۔ جماعت کی قیادت کو بھی شکوہ رہا کہ اتنے محدود اختیارات کے ساتھ کوئی ٹھوس اور مثبت کام کیونکر کیا جا سکتا ہے!

تو کیا اب حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما ہو چکی ہے؟ کیا صدر مشرف کی آمریت ضیاء الحق مرحوم کی آمریت سے یکسر مختلف ہے کہ اس سے نیک توقعات وابستہ کرنا معقولیت کا تقاضا سمجھا جائے؟ کیا موجودہ سیاسی ڈھانچے میں ناظمین اور بلدیاتی نمائندوں کو اتنے بے پناہ اختیارات حاصل ہونے کی توقع ہے کہ موجودہ نظام کو جڑ سے تبدیل کیا جا سکے؟...... ظاہر بات ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے...... تو "پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟"...... یہ صلاحیتوں، اوقات اور پیسے کا ضیاع کس لئے!!

سیدھی سی بات یہ ہے کہ پاکستان کی بقا و سالمیت کے نقطۂ نگاہ سے اگرچہ سیاسی عمل کا دوام اور جمہوری اداروں کا قیام اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے لیکن نظام کی تبدیلی اور اسلامی انقلاب کے لئے یہاں جمہوری انتخابی عمل میں شرکت ہرگز موثر اور مفید نہیں' بلکہ مضر اور نقصان دہ ہے (اس ضمن میں انتخابی طریقہ کار اور انقلابی طریقہ کار کا ایک نہایت جامع تقابلی مطالعہ زیر نظر شمارے میں شامل کیا گیا ہے' قارئین سے گزارش ہے کہ اس پر ایک نظر ضرور ڈال لیں) جو دینی جماعتیں اسلامی انقلاب کا نعرہ لگاتی اور نظام کی تبدیلی کی بات کرتی ہیں ان کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے کہ وہ موجودہ باطل نظام کے تحت اختیار و اقتدار کے پرکشش اور پرفریب لیکن بے روح ڈرامے کا ایک کردار بن کر خود فریبی کا شکار ہوں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کریں۔ انہیں چاہئے کہ وہ سیدھے سیدھے مطالباتی اور مظاہراتی سیاست کا طریقہ اپنائیں اور مل جل کر نظام خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کریں۔ جو سیاسی ڈرامہ بازی اور اختیارات کی بندر بانٹ ہمارے ہاں ہو رہی ہے اس کا پردہ علامہ اقبال نے پچھلی صدی کے اوائل میں چاک کر دیا تھا' اور ویسے بھی اسلامی انقلاب کے نقطۂ نظر سے یہ بات ایک ناقابل تردید حقیقت کا درجہ رکھتی ہے کہ

الیکشن' ممبری' کرسی' صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

آیات آفاقی و آیات انفسی پر غور وفکر سے اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے

اللہ کے وجود پر قرآن دلیل یہ دیتا ہے کہ اللہ کی معرفت انسان کی فطرت میں موجود ہے!

آیات قرآنیہ براہ راست انسانی روح میں پنہاں معرفت الٰہی کو اجاگر کرتی ہیں

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۹ جون کے خطاب جمعہ کی تلخیص

میری آج کی گفتگو کا موضوع ایمان باللہ ہے۔ ویسے تو ایمان مفصل میں ایمان کے کئی اجزاء شامل ہیں جو ایمان کا حصہ ہیں۔

اٰمَنۡ تُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ
وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ
اللّٰہِ تَعَالٰی وَالۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ

یعنی اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ فرشتوں' کتابوں' رسولوں' یوم آخر وغیرہ پر ایمان بھی ہمارے اعتقاد کا حصہ ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ایمان کے ان اجزاء کا تفصیلاً ذکر ملتا ہے۔ تاہم اہم ترین اور بنیادی ایمان یقینی طور پر ایمان باللہ ہی ہے' یہی وجہ ہے کہ ایمان مجمل میں صرف ایمان باللہ کا ذکر ہے:

اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسۡمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ
وَقَبِلۡتُ جَمِیۡعَ اَحۡکَامِہٖ اِقۡرَارٌ بِاللِّسَانِ
وَتَصۡدِیۡقٌ بِالۡقَلۡبِ

''میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفات سے ظاہر ہے اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے (میں ان سب باتوں کا) زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتا ہوں''۔

اگر ایمانیات کی تفصیل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان باللہ ہی اصل ایمان ہے' باقی ایمانیات اس کے مظاہر ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا ظہور چونکہ آخرت میں ہوگا اس لئے آخرت پر ایمان بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اسی طرح اللہ ہدایت دیتا ہے جس کی تکمیلی شکل یہ ہے کہ اللہ نے انبیاء و رسل بھیجے لہٰذا ایمان بالرسالت اللہ کی صفت ہدایت کا مظہر ہونے کے باعث ایمان کا جزو قرار دیا گیا۔

اصل غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے لئے ذرائع کون کون سے ہیں۔ متکلمین حضرات نے عقل کے ذریعے اللہ کے ایمان کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس سے علم کلام وجود میں آیا۔ علم کلام کا اصل موضوع ایمانی حقائق کا تعلق عقل و منطق سے جوڑنا ہے۔ لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ وجود باری تعالیٰ کے لئے جتنی بھی عقلی و منطقی دلیلیں دی گئیں' بعد میں آنے والے فلاسفہ نے عقل و منطق ہی کی بنیاد پر انہیں غلط ثابت کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے وجود کے لئے نہ کوئی سائنسی دلیل ہو سکتی ہے' نہ منطقی دلیل دی جا سکتی ہے کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ سائنسی مشاہدات سے بالاتر اور عالم محسوسات سے وراء الوریٰ ہے۔ مثلاً ایک عقلی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ کائنات کا وجود ہی اللہ کے وجود کی دلیل ہے کیونکہ کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی جب تک اسے کوئی پیدا کرنے والا نہ ہو۔ یہ دلیل بڑی مضبوط ہے لیکن یہ منطقی دلیل خود اسی دلیل سے کٹ جاتی ہے کہ پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا؟

لہٰذا یہ بات آج پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ کسی عقلی و منطقی دلیل سے اللہ کے وجود کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ گزشتہ صدی کے مشہور مغربی فلسفی کانٹ نے بھی ثابت کیا ہے کہ اللہ کے وجود کو کسی منطقی دلیل سے نہیں منوایا جا سکتا۔ علامہ اقبال نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایمان باللہ کے ضمن میں اصلاً کسی عقلی و منطقی دلیل کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ قرآن اللہ کے وجود کا اثبات ایک اور حوالہ سے کرتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی معرفت اور اس سے محبت کا جذبہ ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ فطرت سے مراد انسان کا وجودِ رُوحانی ہے۔ دراصل انسان کا وجود دو اجزاء پر مشتمل ہے یعنی وجود حیوانی اور وجود رُوحانی۔ وجود رُوحانی کا اللہ سے بہت گہرا تعلق ہے۔ قرآن میں انسانی رُوح کی نسبت اللہ کی ذات کی طرف کی گئی ہے اور اس کی حقیقت کے بارے میں صرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ ''امر ربی'' ہے جس کی حقیقت کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ انسانی رُوح کا اللہ سے کیا تعلق ہے' اسے بلاتشبیہ ایک مثال سے سمجھئے کہ جیسے کروڑہا میل کے فاصلے کے باوجود سورج کا اس کی کرن سے ایک تعلق برقرار رہتا ہے' اسی طرح رُوح کا بھی باری تعالیٰ سے ایک تعلق ہے جو منقطع نہیں ہوتا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسانوں کی عظیم اکثریت جسم کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے' جبکہ ان کی رُوح نظرانداز (neglected) پڑی رہتی ہے۔ البتہ انسان کی رُوح میں اللہ کی معرفت یا محبت مخفی طور پر موجود ہے۔ اس معرفت الٰہی کو اجاگر کرنے کے لئے قرآن جن مظاہر کا ذکر کرتا ہے انہیں آیات یعنی نشانی کہتا ہے۔

عام زندگی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ کسی دوست کی کوئی نشانی اگر صندوق میں بند پڑی ہو اور آپ کو دوست سے بچھڑے کافی عرصہ ہو گیا ہو' ایک دن اچانک آپ کے سامنے وہ شے یا اس کا دیا ہوا وہ تحفہ سامنے آ جائے تو آپ کو بلا ارادہ وہ دوست یاد آ جائے گا۔ بعینہٖ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کی نشانیاں اس پوری کائنات میں موجود ہیں جنہیں دیکھ کر تمہیں کوئی یاد آتا ہے کہ نہیں۔ اسی طرح کچھ نشانیاں انسان کے اپنے اندر بھی ہیں جن میں غور و فکر سے انسان کو معرفت ربّ حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ۔

''اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی''

قرآن اپنے متن کے الفاظ اور جملوں کے لئے بھی آیات کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ گویا ان آیات قرآنیہ کے مطالعے سے بھی اللہ یاد آ جاتا ہے اور انسان کے باطن میں دبی ہوئی اللہ کی معرفت کی چنگاری ایک دم سلگ اٹھتی ہے۔

کائنات میں ہر طرف پھیلی اور بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں کو آیات آفاقی جبکہ انسان کے اندر موجود نشانیوں کو آیاتِ انفسی کا نام دیا جاتا ہے۔ کائنات کے مظاہر مثلاً زمین و آسمان کی تخلیق' انسانوں کے رنگ اور زبانوں کے فرق وغیرہ میں اللہ کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ میں نے خطاب کے ابتداء میں سورۂ بقرہ کے ۲۰ ویں رکوع کی جو آیات تلاوت کیں ان میں پہلی آیت میں بے شمار آفاقی آیات کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے میں نے اس آیہ مبارکہ کو آیت الآیات کا نام دیا ہے جہاں ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

''بے شک زمین و آسمان کی تخلیق میں اور دن اور رات کے بدلنے میں اور دریاؤں میں کشتی کے چلنے میں کہ جن میں لوگوں کے لئے نفع ہے' اور اس پانی میں جو نازل کیا اللہ تعالیٰ نے بلندی سے جس کے ذریعے کہ زمین کو زندگی دی اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقل والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں''۔ (البقرۃ:۱۶۴)

از روئے قرآن انسان کی دو عقلیں ہیں۔ آج جس طرح انسان کا اپنا مرکب وجود اس کی نظروں سے اوجھل ہے اسی طرح انسان کے سامنے مادیت پرستی کے باعث یہ حقیقت واضح نہیں رہی کہ انسان کی عقلیں بھی دو قسم کی ہیں۔ ایک وجود حیوانی کی عقل ہے۔ اس حیوانی عقل میں حواس خمسہ سے جو حسی مواد feed ہوتا ہے اسے یہ پروسیس کر کے نتائج نکالتی ہے۔ یہ عقل حیوانی ادنیٰ ترین جانوروں میں بھی پائی

مسئلہ کشمیر پر اتفاق رائے کی غرض سے بلائی گئی کانفرنس میں شرکت کرنے والی جماعتوں کا فیصلہ درست ہے

جاتی ہے' لیکن انسان میں یہ بہت زیادہ ترقی یافتہ شکل میں ہے۔ دوسری عقل' عقل رُوحانی ہے جو صرف انسان کا خاصہ ہے۔ جسے قرآن مختلف مقامات پر تعقل بالقلب کا عنوان دیتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت کے ذریعے اسی تعقل کی دعوت دی گئی ہے۔

اسی ضمن میں قرآن کی ایک اور اہم اصطلاح ''ذکر'' ہے جس کا مطلب ہے یاد دہانی۔ خود قرآن اور اس کی آیات کو ذکر قرار دیا گیا ہے' یعنی یہ سب اللہ کی یاد دہانی کا ذریعہ ہیں۔ واضح رہے کہ یاد دہانی اسی بات کی ہوتی ہے جو پہلے سے انسان کے علم میں ہو لیکن کسی سبب سے اس کی یاد محو ہو چکی ہو۔

آیات آفاقی و آیات انفسی پر غور و فکر سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآنی آیات کا دوہرا کام یہ ہے کہ وہ ایک تو آیات آفاقیہ اور آیات انفسی کی طرف توجہ دلا کر اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ انسانی رُوح میں پنہاں معرفت الٰہی کو اجاگر کرتی ہیں۔ دراصل قرآنی آیات اللہ کا کلام ہیں اور ان کا صدور ذات باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ اسی طرح رُوح کا بھی اللہ کی ذات سے گہرا تعلق ہے۔ گویا قرآن اور رُوح ایک دوسرے کی ہم وطن ہیں۔

لہٰذا جب رُوح پر اللہ کے کلام کی پھوار پڑتی ہے تو اس میں ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ جنہیں آیات ربانی کے ذریعے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔

لیکن عموماً یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کی عظیم اکثریت عقل و فطرت کے ان اشاروں کو نظر انداز کر دیتی ہے اور نفسانی خواہشات میں گم ہو کر اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر پاتی۔ لیکن اندر سے ان کی رُوح تقاضا کرتی ہے کہ کسی کو الٰہ مان کر اس سے محبت کی جائے' چنانچہ انسان کی رُوح میں اللہ کی محبت کی جو شدید پیاس ہے اگر اس کا ذہن و قلب اللہ تک رسائی حاصل نہ کر پائے تو وہ اس پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اللہ کی جگہ کسی اور ہستی یا شے کو پوجنا شروع کر دیتا ہے مثلاً وطن' کوئی نظریہ یا قوم وغیرہ معبود کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی بات اگلی آیت میں فرمائی گئی:

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا کسی کو شریک بناتے ہیں اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں۔ لیکن ایمان والے تو اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں اور یہ ظالم لوگ یہ بات عذاب کو دیکھ کر ہی سمجھیں گے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے''۔ (البقرۃ:۱۶۵)

جو لوگ اللہ کی محبت میں اس درجے کو نہیں پہنچ پاتے جن کا مذکورہ بالا آیات میں ذکر ہے' وہ ایمان باللہ کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو ذرا ذہین لوگ ہیں وہ کوئی نظریہ بنا کر یا اپنی ہی شخصیت کا بت بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم کے لوگ ان نظریات اور شخصیات کا اتباع کرنے والے ہوتے ہیں۔ روزِ قیامت یہ اتباع کرنے والے لوگ اپنے لیڈروں سے توقع کریں گے کہ وہ یہاں ان کے کچھ کام آئیں کیونکہ دنیا میں یہ ان لیڈروں کے پیچھے چلتے تھے اور ان کے لئے نعرے لگاتے تھے۔ لیکن یہ لیڈر اپنے متبعین سے جان چھڑائیں گے۔ اگلی آیات میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

''اس دن کفر کے پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور دونوں عذاب الٰہی دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے لاتعلقی ظاہر کریں۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے''۔ (البقرۃ:۱۶۷۔۱۶۶)

اللہ ہمیں اس انجام بد سے محفوظ فرمائے۔ (آمین)

حالات حاضرہ

''متحدہ مجلس عمل'' کے نام سے چھ دینی جماعتوں کا اتحاد ایک مستحسن قدم ہے اور دعا کی جانی چاہئے کہ یہ مستقبل میں پائیدار اور مستحکم ثابت ہو' لیکن ابتداء ہی میں شریک جماعتوں کی طرف سے اختلافی آراء کا سامنے آنا نیک شگون نہیں۔ جناب ساجد میر کا کہنا ہے کہ یہ ایک خالص دینی اتحاد ہے جبکہ قاضی حسین احمد نے اسے سیاسی اتحاد قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس اتحاد میں شامل ایک اہم جماعت جمعیت علمائے اسلام نے بلدیاتی انتخابات کا سختی سے بائیکاٹ کیا ہے لیکن جماعت اسلامی ان انتخابات میں ڈٹ کر حصہ لے رہی ہے۔ ان حالات میں مناسب ہو گا کہ ساجد میر کے مؤقف کے مطابق یہ اتحاد اپنی سرگرمیوں کو صرف دینی معاملات تک محدود رکھے اور باہمی اختلافات سے گریز کرے۔ بصورت دیگر اگر اس اتحاد میں شامل جماعتوں میں یونہی باہم اختلاف رہا تو یہ بیل کیسے منڈھے

متحدہ مجلس عمل اپنی سرگرمیوں کو دینی معاملات تک محدود رکھے اور باہمی اختلافات سے گریز کرے

چڑھے گی؟ بہر حال ہمیں اس اتحاد سے اچھی امید رکھنی چاہئے کیونکہ ملک میں اسلام کے عادلانہ و منصفانہ نظام کے قیام کے لئے دینی جماعتوں کی متحدہ جدوجہد ضروری ہے۔ اگر یہ جماعتیں خلوص و اخلاص کے ساتھ کوشش کریں تو متحد ہو کر ملک کو ظالمانہ نظام سے نجات دلا سکتی ہیں اور ملک میں شرعی قوانین کی تنفیذ کے لئے حکومت پر زور ڈال کر ملک سے سود اور جاگیرداری کی لعنت کے خاتمہ میں تاریخی کردار ادا کر سکتی ہیں''۔

صدر و چیف ایگزیکٹو پرویز مشرف کی طرف سے مسئلہ کشمیر پر اتفاق رائے کی غرض سے بلائی گئی کانفرنس میں جن جماعتوں نے شرکت کا فیصلہ کیا ہے میں ان کی رائے کو درست سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس وقت اس مسئلے پر پرویز مشرف کے ہاتھ مضبوط کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے' تاکہ پاک بھارت متوقع مذاکرات میں بھارت کو معلوم ہو کہ پاکستانی صدر کو عوامی حمایت حاصل ہے۔ تاہم اس موقع پر پورے کشمیر کی آزادی کی بات کرنے والے نہیں جانتے کہ یہ پاکستان کی خودکشی کے مترادف ہے کیونکہ اس صورت میں ہمیں گلگت' بلتستان' شاہراہ ریشم اور آزاد کشمیر سب سے محروم ہونا پڑے گا۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کشمیر کی تقسیم کا

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کے اسباب؟

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ایک سرکاری ترجمان نے بتایا ہے کہ پی سی او میں ترمیم کر دی گئی ہے اور جنرل پرویز مشرف نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ آج کی قانونی اور جمہوری دنیا میں سیاسی سطح پر اسے آٹھواں عجوبہ ہی قرار دیا جائے گا۔ بجا طور پر یہ کہا گیا ہے کہ افریقہ کے غیر مہذب اور غیر متمدن ممالک میں بھی اب یہ کچھ نہیں ہوتا۔ اسباب جو بھی ہوں' ثابت یہ ہوا کہ ہم سیاسی طور پر نابالغ قوم ہیں۔ آزادی شاید ہمیں قبل از وقت دے دی گئی ہے۔ ہمارے لیڈر اقتدار کی خواہش میں اندھے ہو کر آئین' قانون' اصول' اقدار اور روایات کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں اور ہمارے عوام ذاتی اور فوری فوائد کے حصول کیلئے اپنے بنیادی حقوق غصب کئے جانے پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتے۔ آیئے تاریخ کے جھروکے سے جھانک کر دیکھیں کہ یہ نوبت کیسے آئی کہ آرمی چیف جو ایک سرکاری ملازم ہے اور آئین اور قانون کے مطابق سیکرٹری دفاع کے

> قائداعظم کی وفات کے بعد حصول اقتدار کا گھناؤنا کھیل انتہائی بدصورتی سے کھیلا گیا۔

تابع ہوتا ہے' وہ آرمی چیف بھی رہے اور صدر مملکت کا عہدہ بھی سنبھال لے اور ستم بالائے ستم یہ کہ آئین کے محافظ ادارے کا سربراہ یعنی چیف جسٹس آف پاکستان آرمی چیف سے صدر مملکت کے عہدے کا حلف لے۔

تقسیم ہند کے وقت بھارت کو ہر ہر لحاظ سے پاکستان پر برتری اور سبقت حاصل تھی۔ پاکستان ایک نوزائیدہ ریاست تھی' بھارت نے آغاز ہی میں اس کا گلا گھونٹنے کے لئے اس کے حصے کے اثاثے دینے سے صاف انکار کر دیا جس سے آغاز ہی میں پاکستان مالی مشکلات میں گھر گیا۔ تاریخی طور پر ریکارڈ مہاجرین کی تعداد نے رہی سہی کسر نکال دی۔ بھارت کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ قائداعظم جو پاکستان بننے کے بعد صرف ایک سال اور ۲۷ دن زندہ رہے' اپنی شدید خواہش کے باوجود آئین سازی کی طرف کوئی پیش رفت نہ کر سکے۔ پھر یہ کہ ریڈکلف ایوارڈ میں ہیرا پھیری نے انہیں شدید صدمہ پہنچایا تھا۔ وہ اس کھلی بددیانتی کو برداشت نہ کر سکے' خصوصاً کشمیر کی صورتِ حال نے انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد اس ملک میں حصول اقتدار کا گھناؤنا کھیل انتہائی بدصورتی سے کھیلا گیا۔ ناجائز الاٹ منٹوں سے کرپشن کا آغاز ہوا اور اسے سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا گیا۔

ابوالحسن

لیاقت علی خان وزیراعظم بنے۔ ان کا اپنا کوئی حلقہ انتخاب نہیں تھا' لہٰذا نئے آئین اور اس کے تحت انتخابات سے ان کے اقتدار کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ قائد کی وفات کے بعد انہوں نے مختلف حیلے بہانوں سے مزید تین سال گزار دیئے۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خاں شہید کر دیئے گئے۔ ان کے قاتل کو موقع پر قتل کر کے اصل مجرموں کی نشاندہی کے امکانات ہی ختم کر دیئے گئے۔ مختلف انکوائریوں اور تحقیقاتی کمیشنوں کے قیام کے باوجود آج تک یہ راز فاش نہیں ہو سکا کہ لیاقت علی خاں کے قاتل کون تھے۔ بہرحال اس کے سیاسی محرکات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سانحہ کے بعد سول بیوروکریسی اقتدار پر اپنے قبضہ کے لئے آگے بڑھی۔ خواجہ ناظم الدین جیسے سیدھے اور بھولے بھالے آدمی کو زیادہ مقتدر اور بااختیار ہونے کا چکر دے کر ایک اور بے اصولی کا مظاہرہ کیا گیا۔ چنانچہ خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل کے عہدے سے جست لگا کر وزیراعظم کے عہدے پر براجمان ہو گئے۔ کسی بیوروکریٹ کا وزیراعظم بننا براہِ راست ممکن نہ تھا' لہٰذا گورنر جنرل کا عہدہ خالی کروا کر اس پر قبضہ جما لیا گیا۔ آئین موجود نہ ہونے کی وجہ سے انگریز دور کے ایکٹ سے کام چلایا جا رہا تھا۔ گورنر جنرل اور وزیراعظم کے اختیارات میں کوئی واضح اور طے شدہ تقسیم نہیں تھی۔ لہٰذا اقتدار پر اپنی گرفت مکمل کرنے کے لئے بیوروکریٹس کے نمائندے گورنر جنرل نے وزیراعظم جو قانون ساز اسمبلی کا ممبر تھا' اسے برخاست کر دیا۔ اگرچہ اندرونی طور پر پہلے بھی حکمرانوں سے ایسی حرکات سرزد ہوئی تھیں جو اداروں کے لئے نقصان دہ تھیں لیکن پاکستان کے سیاسی نظام کی جڑوں پر کھلم کھلا یہ پہلا ہتھوڑا چلایا گیا۔ اب تک سیاست دانوں اور سول بیوروکریٹس کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی ہو رہی تھی جس سے سیاسی نظام کی چولیں ڈھیلی ہو رہی تھیں لیکن اب عدلیہ بھی اس میں کود پڑی۔ مولوی تمیز الدین کیس میں جسٹس منیر کا گورنر جنرل کے حق میں فیصلہ دینا اس ملک کی بہت بڑی بدبختی اور بدنصیبی تھی۔ یہ ہمارے سیاسی نظام کے زوال کے ساتھ ساتھ اخلاقی زوال کا بھی آغاز ثابت ہوا۔ ترازو کا پلڑا قوت کے سامنے جھکا دیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال باہر کیا گیا اور ان کی جگہ امریکہ میں پاکستانی سفیر محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم نامزد کر دیا گیا۔ اراکین اسمبلی نے انہیں قبول کر کے سیاسی نظام کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ عدلیہ یا ارکان اسمبلی اس بے ہودہ اور غیر قانونی اقدام کے سامنے ڈٹ جاتے تو یقیناً آج ہم

> مقتدر شخصیات کے مفاد کی خاطر آئین و قانون کو توڑا مروڑا جاتا رہا

سیاسی طور پر نابالغ اور نااہل نہ کہلاتے۔ وقت گزرتا گیا۔ ہم نے تاریخ سے سبق سیکھنے کے بجائے اسے اپنے قابو میں لانا چاہا حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ وہ کبھی کسی کے قابو میں نہیں آئی۔ بدقسمتی سے سول بیوروکریسی نے اقتدار پر اپنی گرفت مکمل کرنے کے لئے سیاست دانوں کے خلاف فوج سے مدد طلب کر لی۔ کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان کو وزیر دفاع مقرر کر دیا گیا۔ یوں سیاست میں سیاست دانوں کے علاوہ سول اور ملٹری بیوروکریسی اور عدلیہ گھس آئیں۔ ایسا وقت بھی آیا کہ فالج زدہ گورنر جنرل غلام محمد اٹھنے بیٹھنے کے لئے تو دوسروں کے محتاج تھے لیکن عنانِ حکومت چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ میجر جنرل سکندر مرزا فوج سے سول میں منتقل ہوئے اور وقت کی حکومت میں سیکرٹری داخلہ بنا دیئے گئے۔

بعد ازاں جوڑ توڑ سے گورنر جنرل کے عہدے پر جا پہنچے۔ ایک اہم واقعہ جو اس سے پہلے رونما ہو چکا تھا اور جس نے سیاسی نظام پر کاری ضرب لگائی تھی' وہ ون یونٹ کا قیام تھا۔ جو لوگ اقتدار سے بالواسطہ اور بلاواسطہ لطف اندوز ہو رہے تھے' وہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی تمام تر کاوشوں کے باوجود جب بھی ملک میں انتخابات کا ڈول ڈالا گیا تو مشرقی پاکستان اپنی عددی اکثریت کی بنا پر بازی لے جا سکتا ہے۔ محمد علی بوگرہ کی برطرفی کے بعد اقتدار کا مرکز اور محور مغربی پاکستان بن چکا تھا۔ لہٰذا اقتدار کے ان کھلاڑیوں کو خطرہ تھا کہ یہ عددی اکثریت ان کے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ پنجاب' بلوچستان' سندھ اور سرحد کو ملا کر مشرقی پاکستان کے مقابلے میں ایک صوبہ مغربی پاکستان بنا دیا گیا اور دونوں صوبوں میں پیریٹی یعنی برابری کا اصول منظور کروالیا گیا' یعنی مشرقی پاکستان کی آبادی زیادہ ہونے کے باوجود دونوں صوبوں کو مرکز میں ایک جیسی نشستیں الاٹ ہوں گی۔ اس سے سندھ اور بلوچستان وغیرہ کو اپنی حیثیت ختم ہونے کا اور مشرقی پاکستان کو اپنی اکثریت ختم ہونے کا احساس بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ وقت کے بالادست طبقہ کو نہ ملکی مفاد سے دلچسپی تھی اور نہ ہی مضبوط ادارے قائم کرنے کی فکر تھی اور یہ سب کچھ مضبوط

نواز شریف بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اکبر اعظم کو آئیڈیل بنائے بیٹھے تھے۔

مرکز کے نعرے لگا کر کیا جاتا تھا حالانکہ ان کا اصل مقصد اقتدار کو اپنی ذات میں مرتکز اور دائمی کرنا ہوتا تھا۔

اس ملک پاکستان میں یہ بھی ہوا ہے کہ ایک جماعت برسر اقتدار ہے لیکن رات کے اندھیرے میں ایک نئی جماعت قائم کی جاتی ہے اور برسر اقتدار جماعت کے اکثر ممبران راتوں رات اس نئی جماعت میں منتقل ہو جاتے ہیں جس سے صبح نئی جماعت کی اکثریتی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ بالآخر ۱۹۵۶ء میں ملک کو ایک نیا آئین مل جاتا ہے۔ چوہدری محمد علی جو بلاشبہ سول بیوروکریسی سے تعلق رکھتے تھے' وزیراعظم کی حیثیت سے ملک کو نیا آئین دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ لیکن یہ بیچارہ نیا آئین بمشکل ڈھائی برس کا ہوگا جب پہلی مرتبہ بھاری بوٹوں نے اسے اپنے پاؤں تلے کچل دیا۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نئے آئین کی تدوین کے بعد اب انتخابات کی تیاری تھی لیکن انتخابات دشمن عناصر نے بعض نادیدہ قوتوں سے مل کر آئین ہی کا خاتمہ کر ڈالا۔ یہ رائے بھی ہے کہ خان عبدالقیوم خان ایک مقبول شخصیت کے طور پر اُبھر رہے تھے۔ ان کا پنجاب میں ۳۷ میل لمبا جلوس نکلا تھا لیکن مقتدر حلقوں نے انہیں مسترد کر دیا۔ لہٰذا ایوب خان کا مارشل لاء ان کا راستہ روکنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ان اڑھائی سالوں میں چار سول حکومتیں بدل دی گئیں۔ چوہدری محمد علی کے بعد حسین شہید سہروردی کو لایا گیا' پھر آئی آئی چندریگر آئے' پھر فیروز خان نون کو لایا گیا۔ نون بھی جا رہے تھے کہ سیاسی عدم استحکام کو جواز بنا کر مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ یہ بات آج تک راز ہی ہے کہ ایوب خان نے مارشل لاء سکندر مرزا کے مشورہ پر لگایا اور بعد ازاں سکندر مرزا کو رخصت کیا یا مارشل لاء لگانے کے لئے مشورہ بھی گن پوائنٹ پر حاصل کیا گیا۔ ہماری عدلیہ نے ایک بار پھر یہ انداز اختیار کیا کہ فوج کو زبردستی اقتدار سے نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ ایوب خان نے ۱۹۶۲ء میں نیا آئین دیا جس میں بقول شخصے انہیں وہی حیثیت حاصل تھی جو فیصل آباد میں گھنٹہ گھر کو ہے۔ اصل اہمیت شخصیات کو حاصل رہی اور ان کی خاطر آئین و قانون کو توڑا مروڑا جاتا رہا۔ لہٰذا کوئی سیاسی نظام استحکام حاصل نہ کر سکا۔ ایوب خان کے خلاف تحریک چلی اور ایک بار پھر نیا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر آ گیا۔ پاکستان کیوں ٹوٹا اور کس نے توڑا' اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس وقت یہ زیر بحث نہیں لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ ایک مستحکم سیاسی نظام قائم نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان ٹوٹا۔ جو کوئی آیا' اس نے نظام اور اداروں کو مستحکم کرنے کی بجائے اپنی ذات کو طاقتور بنانے پر سارا زور صرف کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو جن کی جماعت پی پی پی نے متحدہ پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی تھی' مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے بعد انہیں نئے پاکستان میں فوراً نئے انتخابات منعقد کروانا چاہئے تھے تا کہ سندھ' پنجاب' بلوچستان اور سرحد کے صوبے جنہیں وہ What remains of Pakistan کہتے تھے' وہ اپنا الگ فیصلہ نئی صورت حال میں دے سکتے ...... یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ پی پی پی زیادہ بڑی کامیابی حاصل کرتی لیکن پاکستان میں اقتدار کے حوالے سے کوئی لیڈر رتی بھر رسک لینے کو تیار نہیں ہوتا۔ پاکستان شاید دنیا کی واحد مثال ہے جہاں ایک سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا۔ بھٹو کے خلاف پی این اے نے تحریک چلائی۔ جب مذاکرات کامیابی سے ہمکنار ہونے کو تھے تو فوج نے اقتدار حاصل کرنے کے اس شاندار موقع کو ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نسیم ولی خاں اور ایئر مارشل اصغر خان کے ذریعے مذاکرات کو آخری مرحلے پر سبوتاژ کیا گیا اور فوج نے اقتدار حاصل کر لیا۔ نوابزادہ نصر اللہ اور پروفیسر غفور واضح طور پر کہہ چکے ہیں کہ بھٹو نئے انتخابات پر تیار ہو گیا تھا کہ فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ ان دونوں بزرگوں کی بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ اس تخریبی کارروائی میں بھی فوج کو صف اوّل کے دو سیاست دانوں کا تعاون حاصل ہوا۔ تب ہی وہ غاصبانہ قبضہ کر سکی۔ نصرت بھٹو کیس میں سپریم کورٹ نے نظریہ ضرورت کے تحت مارشل لاء کو جائز قرار دے دیا اور فرد واحد کو اجازت دے دی کہ وہ آئین سے جو بدسلوکی کرنا چاہے' کر سکتا ہے۔ عدلیہ نے ایک بار پھر وردی کو سیلوٹ کیا اور جس آئین پر حلف لیا تھا اسے بخوشی بھاری بوٹوں سے گرد آلود ہونے دیا۔ ایک بار پھر طاقت نے انصاف کو دفن کر دیا لیکن اس ظلم میں سیاست دان برابر کے شریک تھے۔ ادارے کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے۔ ہر حاکم' خصوصاً فوجی حاکم نے نیا سیاسی نظام دیا۔ ہر نئے سیاسی نظام پر میڈیا نے واہ واہ کے ڈونگرے برسائے اور ہر سیاسی نظام اپنے موجد کی موت کے ساتھ اس کے ساتھ ستی ہو جاتا تھا۔ البتہ ضیاء الحق نے اپنے سیاسی نظام کو اپنی زندگی ہی میں کاری ضرب لگائی جب اپنے ہی نامزد وزیراعظم جونیجو اور تمام اسمبلیوں کو برطرف کر دیا اور اس کی حکومت کو کرپٹ اور بددیانت قرار دیا۔ پھر ان ہی اسمبلی ممبروں کو اپنے ساتھ ملا جلا کر بغیر وزیراعظم کے اپنی زیر قیادت ایک نگران حکومت

قوت غلط جگہ پر استعمال ہوتی رہے تو کمزور پڑنے لگتی ہے۔

قائم کر لی جس کے ذمہ انتخابات کا انعقاد لگایا گیا۔ لیکن انتخابات سے قبل خود ہی فضائی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ عدلیہ نے فیصلہ دیا کہ ضیاء الحق نے بدنیتی سے اسمبلیاں توڑی تھیں۔ جونیجو حکومت کو بھی غلط برطرف کیا گیا تھا لیکن اب عوام چونکہ انتخابات کے لئے تیار بیٹھے ہیں لہٰذا جونیجو حکومت بحال نہیں کی جائے گی بلکہ نئے انتخابات ہوں گے۔ عجیب و غریب فیصلہ تھا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ نئے آرمی چیف مرزا اسلم بیگ نے عدالت سے رابطہ کر کے کہا تھا کہ جونیجو حکومت بحال نہیں کی جائے گی' یعنی عدلیہ نے ایک بار پھر وردی کو سیلوٹ کیا تھا اگرچہ اس مرتبہ فوج نے اپنے اقتدار کے لئے نہیں بلکہ عوامی خواہش کے پیش نظر عدلیہ کو اس فیصلے کے لئے کہا تھا۔ ضیاء الحق کے طویل اقتدار کے بعد فوج نے ضروری سمجھا کہ عوام کو ایک جمہوری جھولا دیا جائے۔

ضیاء الحق کے بعد بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے دو دو جمہوری دور آئے۔ ان دو لیڈروں کے یہ چار جمہوری دور کسی پولیٹکل سائنس کے طالب علم کے لئے کس حد تک

مفید ثابت ہو سکتے ہیں' اس کا بیان بہت مشکل ہو گا۔
بہر حال ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۹ء تک گیارہ سال کے دوران جمہوریت کے اس عوامی تھیٹر نے ایسے ایسے مناظر دکھائے کہ بڑے بڑے سنجیدہ اور رنجیدہ لوگ لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ بے نظیر کی سیاست کا شاہکار نواز شریف کی فیکٹری کے لئے سکریپ لانے والے جہاز کو ساحل پر روک رکھنا تھا یا پھر زرداری کی فرمانبرداری میں زر اندوزی کرنا تھا۔ اور نواز شریف بیسویں صدی کی آخری دہائی میں مغل شہنشاہ اکبر اعظم کو اپنا آئیڈیل بنائے بیٹھے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اراکین اسمبلی پیدائشی گونگے ہوں تاکہ زبانوں کی تالہ بندی کا رسک بھی نہ لیا جائے' کمانڈر انچیف روزانہ صبح ان کے حضور کورنش بجا لائیں اور چیف جسٹس ان کے کئے ہوئے فیصلے عوام کی دہلیز تک پہنچائیں تاکہ ان کا عوام سے کیا ہوا وعدہ پورا ہو۔ وہ انتظامیہ کے سربراہ کو اپنے ذاتی سائیس کی حیثیت سے دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ ان کے نزدیک جمہوریت اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ کس کے ڈبے سے کتنے ووٹ نکلتے ہیں۔ ایسی جمہوریت کا نتیجہ اس کے سوا کیا نکل سکتا تھا کہ فوج کا سربراہ وزیراعظم اور اس کی حکومت کو برطرف کر دیتا' اسمبلیاں معطل کر دیتا' آئین پر قبضہ کر لیتا اور پھر بھی کہتا کہ ملک میں مارشل لاء نافذ نہیں کیا گیا نہ ہی میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوں۔ میں نے تو محض جہاز اغوا کرنے پر حکومت برطرف کی ہے اور چیف ایگزیکٹو بننے ہی پر اکتفا کی ہے۔ وہ روتے اور منہ بسورتے تو نہیں البتہ رنجیدہ ہو کر بتاتے ہیں کہ حکومت ان پر تھوپ دی گئی ہے۔ البتہ عدلیہ نے اپنی روایات برقرار رکھتے ہوئے ان کی اشک شوئی کی ہے۔ انہیں حکومت کرنے کا سہ سالہ اجازت نامہ عنایت فرمایا ہے اور آئین کا حلیہ سنوارنے اور اس کی نوک پلک درست کرنے کا اختیار اپنے ''سوموٹو'' اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے بن مانگے دیا ہے۔ یہ ایک اور بوجھ زبردستی ان پر لاد دیا گیا ہے لہٰذا سپریم نیشنل انٹرسٹ میں اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا کہ پی سی او میں ترمیم کر کے انہیں کرسی صدارت پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا جاتا۔ جہاں تک سپریم نیشنل انٹرسٹ کا تعلق ہے' ہر پاکستانی جانتا ہے کہ ہمارے ہر حاکم کی نیندیں اسی کی دیکھ بھال میں حرام ہوئی ہیں۔ آخر میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ جوار بو کر گندم نہیں کاٹی جا سکتی۔ اگر سیاست کا مقصد صرف اور صرف اقتدار کی دیوی کی پوجا ہے' اگر قوت کا مطلب غاصبانہ قبضہ کو جائز قرار دے لینا ہے' اگر ترازو پکڑنے والے ہاتھ تیور دیکھ کر ڈنڈی مارتے رہے تو دشمن کے خلاف استعمال ہونے والی قوت کرسی کے حصول کے لئے استعمال ہوتی رہے گی اور قوت جب غلط جگہ پر استعمال ہوتی رہتی ہے تو کمزور پڑنے لگتی ہے۔ فوج کو اگر تاریخ بدلنا ہے تو جغرافیہ کی حفاظت کرے۔

بہر حال سیاست دان اگر بھاگ کر فوج کی چوکھٹ پر جاتے رہے اور فوج انہیں جی آیاں نوں کہتی رہی اور منصف اگر وردی والوں سے حلف اٹھواتے رہے تو یاد رکھئے پی سی او آتے رہیں گے اور جس کے سر پر باز آ بیٹھا وہ ایوان صدر میں داخل ہو کر رہے گا۔ اکیسویں صدی بھی اپنا ایک سال گنوا بیٹھی ہے تو ہم کیا کریں!

نوٹ: پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کے واقعات تو یقیناً بے شمار ہیں لیکن طوالت کے خوف سے صرف انہی چند واقعات کو شامل کیا گیا ہے۔ (تجزیہ نگار)

●●●●●●●●●●

حدیث دل

......مورے انگنا

قوال صاحب کافی دیر تک ہارمونیم پر مشق ستم کرتے رہے اور پھر جب مجمع پر ایک کیفیت طاری ہوگئی تو انہوں نے گانا شروع کیا۔ بول یہ تھے ع مورے انگنا معین الدین آیو رے۔ وہ مختلف بولوں کو دہرا رہے تھے کہ مجمع میں سے ایک نوجوان جس کی مسیں بھی ابھی نہیں بھیگی تھیں' کھڑا ہوا اور بولوں کی دھن پر تھرکنا شروع کر دیا۔ اب حال یہ تھا کہ جیسے جیسے قوال صاحب کی آواز بلند ہوتی' وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتا اور جیسے جیسے آواز دھیمی ہوتی' اس کے تھرکنے کا انداز بھی دھیما پڑتا جاتا۔ کئی افراد اس نوجوان کو قابو کرنے کے لئے آگے بڑھے لیکن وہ ان کی گرفت سے اس طرح نکل جاتا جس طرح مچھلی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ پھر لوگوں کو قوال نے منع کرنے کا اشارہ کیا اور اپنی آواز دھیمی کرنی شروع کی۔ ہارمونیم کی آواز اور طبلے کی تھاپ بھی اسی تناسب سے کم ہونی شروع ہوئی' پھر ایک دم سے ساری آوازیں آنی بند ہو گئیں اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ میرے لئے ایک حیران کن تجربہ تھا۔ میں حیران تھا کہ اس نوجوان کو جو ابھی اپنی شعوری عمر کو بھی نہیں پہنچا' آخر قوال کے بولوں میں ایسی کیا بات محسوس ہوئی کہ اس نے اس طرح کی الٹی سیدھی حرکتیں شروع کر دیں۔ پھر میں نے یہی سوال تصوف سے تعلق رکھنے والے ایک ساتھی سے کیا۔ اس نے جواب دیا کہ اصل بات یہ ہے کہ وہ نوجوان ابھی سلوک کی ابتدائی منزل میں ہے اور اس میں ابھی اتنی قوت پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اپنے سوز دروں کی کیفیت پر قابو رکھ سکے لہٰذا اس پر حال کی کیفیت طاری ہوگئی۔

اس واقعہ کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ آج یہ واقعہ میرے ذہن کے پردہ پر ایک بار پھر نمودار ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۵ جون کو امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کو قصبہ کالونی کی جامعہ ربانیہ کے طلباء اور اساتذہ کرام سے خطاب کرنا تھا۔ میری رہائش اس کالونی سے ملحق آبادی محمد پور میں ہے۔ لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے امیر محترم سے گزارش کی کہ میرے غریب خانہ پر بھی قدم رنجہ فرمائیں' اس سے میری حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور آپ مجھ سمیت میرے اہل خانہ کے لئے دعائے خیر بھی فرما دیجئے گا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب امیر محترم نے فوری طور پر میری گزارش قبول فرمالی۔ بس یہ سمجھئے کہ یہ چند لمحات جو امیر محترم نے میرے غریب خانے پر رونق افروز ہو کر مجھے بہم پہنچائے' وہ میرے لئے تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ کاش کہ وقت کی رفتار تھم جاتی۔ لیکن ایسا تو ایک بار ہی ہوا ہے جب محبوب خالق کون و مکاں ﷺ کو شب معراج کے موقع پر معشوق حقیقی نے اپنے حضور طلب فرمایا تھا' جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ:

سر لا مکاں سے طلب ہوئی
سوئے منتہا وہ چلے نبی
کوئی حد ہے ان کے عروج کی
صلو علیہ و آلہ

وقت کی رفتار کو یہ حکم ہوا کہ وہ تھم جائے تاکہ وہ لمحات امر ہو جائیں۔ اب ایسا موقع کبھی نہیں آئے گا۔ ہمارے لئے یہی بات کیا کم باعث فخر ہے کہ ہمیں نبی انقلاب ﷺ کے اسوۂ اقامت دین پر عمل پیرا ہونے کی بارگاہ الٰہی سے توفیق عطا ہوئی ہے۔ اے کاش کہ ہم اس بھاری ذمہ داری کی ادائیگی کا حق ادا کر سکتے! ع ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''۔ ہم سلوک انقلاب محمدی ﷺ میں مبتدی کی حیثیت رکھتے ہیں گو کہ تنظیمی سطح پر ملتزم قرار دیئے جا چکے ہوں۔ لیکن ملتزم کا حق تو اس صورت میں ادا ہو گا جب کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے مشن کو ''مقام ملتزم'' دے کر اس سے واقعتاً اس طرح چمٹ جائیں کہ پھر کوئی دنیوی ضرورت اور لالچ اور کوئی امتحان و آزمائش ہمیں اس سے منحرف نہ کر سکے...... اے کاش کہ ہم ایسا کر سکیں...... اے کاش!

(بقلم: محمد سمیع' کراچی)

اسامہ بن لادن..... اللہ کا نشتر

عالمی دہشت گرد امریکہ کی شہہ پر آج دین اسلام کے حوالے سے دہشت گردی کو اجاگر کیا جا رہا ہے اور اس طرح امریکہ مسلمانوں کو دنیا کے سامنے دہشت گرد کے روپ میں پیش کر کے اسلام کے خلاف اپنی مذموم سازش کی قلعی خود ہی کھول رہا ہے۔ امریکہ کے لئے دہشت گردی اور اسامہ بن لادن لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے دنیا میں کہیں بھی کوئی شخص جب ایف بی آئی کے ہاتھوں دہشت گردی کے الزام میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کو فوراً اسامہ بن لادن کا آلۂ کار تصور کر کے نئے سرے سے اسامہ کی گردان شروع کر دی جاتی ہے کہ ضرور یہ اسامہ کے بچھائے گئے دہشت گردی کے جال القاعدہ ہی کا رکن ہے۔ سپر پاور امریکہ کا مسٹر بن لادن سے ڈر اور خوف اب اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ اگر امریکن سی آئی اے کوئی ایسا فون بھی سن لے جس میں امریکہ اور اٹیک

> **کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو امریکہ کی آنکھوں میں جوتوں سمیت گھس سکتا ہے!**

یہ دو لفظ موجود ہوں تو فوراً فوج کو ہائی الرٹ کا حکم اور امریکی شہریوں کو حفظ ماتقدم کی فہرست فراہم کر دی جاتی ہے۔ اس وقت بھی بقول سی آئی اے اس نے چند افراد کی ایسی گفتگو سیلولر فون کے ذریعے سنی ہے، جس میں وہ امریکہ پر حملے کے منصوبے بنا رہے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ پچھلے دنوں مشرق وسطیٰ کے کسی چینل سے نشر کی جانے والی یہ خبر کہ آنے والے ہفتوں میں دنیا پر کچھ ایسے حیرت انگیز انکشافات ہونے والے ہیں جو امریکہ اور اسرائیل کی تمام دنیا پر چھائی ہوئی دلچسپی کو براہ راست نشانہ بنائیں گے۔ امریکی میڈیا کے مطابق یہ الفاظ اسامہ کے کسی ساتھی نے ادا کئے جس کے بعد اسامہ کو انتہائی خوشگوار موڈ میں دکھایا گیا۔ لیکن امریکہ کا موڈ ضرور بگڑ گیا۔ لہٰذا یمن میں ایف بی آئی کی ٹیم نے بساط لپیٹ لی' اردن میں بحریہ نے رخت سفر باندھ لیا اور ففتھ فلیٹ نے حملے کے خوف سے بحرین سے بھاگ کر خلیج فارس میں پناہ لے لی۔ یہ ہے آج کی سپر پاور جو اب تک تو صرف ہائی الرٹ ہوتی چلی آئی ہے مگر اس مرتبہ یہ ہائیسٹ الرٹ ہو گئی ہے۔ لہٰذا میڈیا کے ہر ذریعے کو استعمال میں لاتے ہوئے دنیا کے کونے کونے میں موجود امریکی شہریوں کو حفاظتی اقدامات کی ہدایت کی جا رہی ہے اور ان کو بتایا جا رہا ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو امریکہ کی آنکھوں میں جوتوں سمیت گھس سکتا ہے اور اس انتہائی خطرناک شخص کو دنیا کی انتہائی خطرناک حکومت طالبان کی پشت پناہی حاصل ہے۔ امریکی حکام یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ سمجھنا نہایت مشکل ہے کہ کس طرح اسامہ بن لادن اور

رعنا ہاشم خان

بنیاد پرست دہشت گردوں نے واضح طور پر امریکی افواج کو خنجر کی دھار پر بٹھا رکھا ہے۔ اسامہ کی گرفتاری کے لئے امریکی کمانڈوز کافی کوشش کر چکے ہیں اور مسلسل سرگرم عمل ہیں۔ ان کمانڈوز کا کہنا ہے کہ اسامہ بن لادن ہماری انٹیلی جنس فورسز سے کئی قدم آگے ہے۔ دہشت کی علامت یہ اب یہی شخص لندن' پیرس' نیویارک اور برلن کی شاہراہوں پر چہل قدمی کرنے کے بجائے خود بھی بھاگ رہا ہے اور ہمیں بھی بھگا رہا ہے۔

پینٹاگان کے ہائیسٹ الرٹ نے امریکی معیشت کو بھی متاثر کیا ہے اور آج کل وال سٹریٹ بھی اسامہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں نگل جانے کو تیار بیٹھی ہے۔ القاعدہ کی غیر معمولی سرگرمیوں نے گرمیوں میں بھی امریکہ کو ٹھنڈے پسینے بہانے پر مجبور کر دیا ہے۔ حملے کہاں اور کب ہوں گے' ہم یہ تو نہیں بتا سکتے بس صرف عوام کو خبردار اور فوج کو ہوشیار ہی کر سکتے ہیں۔ یہ ہیں پینٹاگان کے تاثرات!

خوف کی اس لہر کے پیچھے اس ویڈیو ٹیپ کا بھی بڑا عمل دخل ہے جو آج کل مشرق وسطیٰ میں بڑی مشہور ہوئی ہے۔ ۱۰۰ منٹ کے دورانیے پر مشتمل اس ویڈیو ٹیپ کا آغاز اسامہ بن لادن کی آواز میں اس نظم سے کیا گیا ہے کہ ''پورٹ عدن پر جا کر وہ اس کو تباہ کر آئے جو سب کو تباہ کر سکتا تھا اور جس کا خوف لوگوں کو خوف زدہ رکھتا تھا' وہ جب بھی لنگر انداز ہوتا تھا یا تیرتا تھا تو یوں کہ لوگوں پر اپنی دھاک بٹھاتا تھا۔'' اس ویڈیو ٹیپ کے چند مناظر امریکی ٹیلی ویژن پر بھی دکھائے گئے ہیں جو زیادہ تر افغان مجاہدین اور اسامہ کے ساتھیوں کی جنگی مشقوں اور سابقہ امریکی صدر بل کلنٹن کے پورٹریٹ پر نشانہ بازی کی پریکٹس پر مشتمل ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں عربی زبان میں اسامہ کے کسی ساتھی کا گایا گیا یہ گیت بھی موجود ہے کہ ''ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں کول کی تباہی کی صورت میں فتح نصیب فرمائی۔'' اسامہ کی نظم اور یہ گیت دونوں مل کر امریکہ کے اس یقین کو تقویت پہنچا رہے ہیں کہ کول کی تباہی اسامہ ہی کی کارستانی ہے۔ بہر حال کول کی تباہی اسامہ کی کارستانی ہو یا نہ ہو لیکن امریکہ کی بوکھلاہٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاقت کے نشے میں چور امریکہ کے عروج کا جہاز بھی کول کی مانند اب زوال کے کنارے آ لگا ہے۔ ویسے بھی انگریزی کا مشہور مقولہ ہے

> **''ہر کمالے راز والے'' کے اصول کے مطابق امریکہ کی عظمت کے دن گنے جا چکے ہیں**

''Every rise has a fall'' یعنی ہر کمال کا زوال ہوا کرتا ہے۔ فارسی میں اسے یوں کہا گیا ''ہر کمالے راز والے'' اور پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا یہ حق ہے کہ جو چیز سر اٹھائے' اسے سرنگوں کر دے''۔ امریکہ پر اسامہ کا خوف دراصل اللہ کا نشتر ہے جو اس کے اٹھے سر کو کچلنے کے لئے اس کے غرور پر مسلسل کچوکے لگا رہا ہے۔ امریکہ کو اپنے صحرائی دانش ور جی ایم دوسکی کے وہ الفاظ نہیں بھولنے چاہئیں جو وہ مرنے سے پہلے کہہ گیا تھا کہ ''امریکہ کی عظمت کے دن گنے جا چکے ہیں۔''

ہدایات برائے شرکاء

مبتدی تربیت گاہ (از ۱۵ تا ۲۱ جولائی) ...... ملتزم تربیت گاہ (از ۲۲ تا ۲۸ جولائی)

بمقام: میاندم سوات

رفقاء اپنے ہمراہ بستر' نوٹ بک اور دیگر ضروریات کا سامان لے کر آئیں۔ تربیت گاہ تک پہنچنے کے لئے ہدایات:

ا) جہاں کہیں سے بھی روانہ ہوں مینگورہ سوات کو پہلی منزل بنائیں۔

ب) مینگورہ سوات پہنچ کر دوسری سواری میاندم کے لئے لینی ہو گی جو کہ بس سٹینڈ کے اندر واقع شاہد فلائنگ کوچ سٹینڈ سے ملے گی۔ یہ سواری براہ راست مقام تربیت گاہ میاندم تک لے کر جائے گی اور یہ سواری مغرب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک دستیاب ہو گی۔ میاندم تک کا سفر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا ہے۔

ج) اگر یہ گاڑی نہ ملے اور مغرب کے لگ بھگ کا وقت ہو تو آپ کالام یا بحرین جانے والی کوچ پر سفر کریں اور فتح پور چوک پر اتر جائیں۔ جہاں سے سڑک میاندم کے لئے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کے عظیم مقصد کے نقطہ نظر سے

انتخابی کشمکش اور انقلابی جدوجہد کا تقابلی مطالعہ

اور میزانیۂ نفع ونقصان

تنظیم اسلامی‘ پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کی علمبردار ہے۔ تنظیم کا یہ برملا موقف ہے کہ سلطنتِ خداداد پاکستان کی بقا اور سالمیت کے لئے دستور اور قانون کی بالادستی اور جمہوری‘ سیاسی اور انتخابی عمل کا تسلسل لازم ہے لیکن اس کے ساتھ ہی تنظیم اس امر کی بھی شدت سے قائل ہے کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام انتخابات کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے انقلابی جدوجہد یعنی منکرات وفواحش اور ظلم واستحصال کے خلاف ایک منظم مطالباتی اور مظاہراتی جدوجہد لازمی ہے‘ جس میں وہ لوگ اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کر کے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں جو پہلے خود اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار کے اندر احکام شریعت نافذ کر چکے ہوں۔ اندرونی صفحات میں ان حضرات کے غور وفکر کے لئے انتخابی سیاست اور انقلابی جدوجہد کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جو اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ انتخابی عمل کے ذریعے اسلامی نظام قائم کیا جاسکتا ہے ـــــ واضح رہے کہ ہمیں ان کے خلوص نیت پر ہرگز کوئی شک نہیں ہے‘ لیکن ہمارے نزدیک نصح وخیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ان کی غلط فہمی کے ازالے کی کوشش کی جائے ـــــ وما علینا الا البلاغ

نوٹ: زیر نظر تقابلی مطالعہ جس میں اہل نظر کے لئے غور وفکر کا وافر سامان مضمر ہے‘ آج سے تقریباً دس سال قبل پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔ ملک میں آج کل چونکہ انتخابات کی گرماگرمی ہے اور نیا سیاسی ڈھانچہ تشکیل دینے کی کوشش جاری ہے‘ لہٰذا موقع کی مناسبت سے اسے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

انتخابی سیاست .... بمقابلہ .... انقلابی جدوجہد

انتخابی سیاست	انقلابی جدوجہد
اہداف وامکانات	
☆ اصلاً حکومت چلانے والے ہاتھوں کی تبدیلی	☆ سماجی‘ سیاسی اور معاشی تمام سطحوں پر ظلم اور استحصال کا مکمل خاتمہ
☆ نظام میں صرف سطحی اور جزوی اصلاح کا امکان	☆ اسلام کے کامل نظام عدل اجتماعی کا قیام ونفاذ!
طریق کار اور لازمی تقاضے	
☆ ساری بحث وقتی مسائل کے بارے میں	☆ ماضی‘ حال اور مستقبل کا گہرا شعور
☆ اصل زور نعروں پر	☆ اصل توجہ سوچ کی تبدیلی پر
☆ صرف اسلام پسندی پر اکتفا	☆ احکام شریعت کی پابندی لازم
☆ اصلاح عقائد غیر ضروری‘ بلکہ مضر	☆ تصحیح عقائد نہایت ضروری
☆ تعمیر سیرت وقت کا ضیاع	☆ تعمیر سیرت کامیابی کی لازمی شرط
☆ ڈھیلی ڈھالی رکنیت سازی	☆ سمع وطاعت پر مبنی مضبوط تنظیم
☆ ذاتی وجماعتی پبلسٹی اور نمود ونمائش	☆ للّٰہیت‘ اور نیکی کر دریا میں ڈال کا طرز عمل
☆ سارا زور دنیوی بہبود اور اس کے ضمن میں آسمان اور زمین کے قلابے ملانے پر	☆ دنیا میں امن وچین اور عدل وانصاف کے ساتھ ساتھ اصل زور آخرت کی نجات پر
☆ علاقائی‘ گروہی اور طبقاتی مفادات کی دہائی!	☆ پوری نوع انسانی بالخصوص امت مسلمہ کی خیر خواہی
☆ عوام سے ووٹوں کی بھیک مانگنا اور دھن‘ دھونس اور دھاندلی کا بھرپور استعمال	☆ منکرات کے خلاف جہاد اور استحصالی ہتھکنڈوں کے خلاف پرامن اور منظم مظاہرے!

کامیابی کے بنیادی لوازم

☆ محض عددی اکثریت' خواہ بے شعور بلکہ فاسق وفاجر لوگوں پر مشتمل ہو!
☆ عوام کی پسند و ناپسند ہمیشہ مقدم!
☆ سکہ رائج الوقت یعنی پیسہ' برادری اور سرمایہ داری' جاگیرداری' قبائلی سرداری اور مزاروں کی سجادہ نشینی پر مبنی دنیوی وجاہت کی مناسب پذیرائی
☆ رشوت' جوڑ توڑ اور ضمیر کے سودے
☆ بے اصول اور انمل بے جوڑ اتحاد جن میں قیادت کی رسہ کشی لازم!

☆ تربیت یافتہ' منظم اور ایثار پیشہ لوگ خواہ اقلیت ہی میں ہوں
☆ ہر موقع پر صرف اللہ اور رسول ﷺ کی پسند و ناپسند کا لحاظ!
☆ اصل اہمیت اور قدر و منزلت کا معیار ایمان کی پختگی' اللہ اور رسول ﷺ سے سچی وفاداری' جانی و مالی قربانی اور جوش جہاد و ذوق شہادت!
☆ اللہ کے ہاتھ جان اور مال کی ''بیع'' یعنی فروخت
☆ ایک امیر کی ''بیعت'' پر مبنی ''حزب اللہ'' کا قیام!

نتائج اور میزانیہ نفع ونقصان

☆ مذہبی جماعتوں کا باہمی تصادم اور فرقہ واریت کا فروغ
☆ اسلام پسند ووٹروں کی تقسیم اور الحادی قوتوں کی بالواسطہ تقویت اور ان کی کامیابی کا سبب!
☆ مذہبی جماعتوں سے عوام الناس کی بیزاری اور ملک وملت کے مستقبل سے ناامیدی!

☆ ہر مکتب فکر کے مخلص' سرفروشوں کے اتحاد سے فرقہ واریت کی نفی!
☆ انقلابی لوگ خود امیدوار نہ ہونے کے باعث ووٹوں کی تقسیم کے الزام سے بری اور انتخابات میں مذہبی جماعتوں کی بالواسطہ تقویت کا ذریعہ
☆ دین اور رجال دین پر عوامی اعتماد کی بحالی اور اقامت دین کی جدوجہد میں شمولیت پر آمادگی

پاکستان کی باون سالہ تاریخ کی گواہی

☆ انتخابات کے میدان میں مذہبی عناصر ہمیشہ باہم متصادم اور مختلف سیکولر جماعتوں کا ضمیمہ بنے اور نتیجتاً غیر مؤثر رہے!
☆ اکثر و بیشتر طالع آزما اور اقتدار کے حریص لوگ ہی آگے آتے رہے ......اور معاشرے میں سرمایہ پرستی' کرپشن اور لوٹ کھسوٹ ہی کو فروغ حاصل ہوتا رہا۔

☆ مطالباتی اور مظاہراتی مہموں (یعنی انقلابی جدوجہد) کی قیادت ہمیشہ رجال دین کے پاس رہی اور کامیابی نے بھی ہمیشہ قدم چومے (مثالیں: مطالبہ قرارداد مقاصد' تحریک ختم نبوت ۷۳ء وغیرہ)
☆ مطالباتی اور مظاہراتی مہموں کے دوران مخلص اور ایثار پیشہ کارکنوں کے جوہر نمایاں ہوئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں انتخابی سیاست نے انہیں پھر پیچھے دھکیل دیا۔

حاصل کلام

کم از کم' اسلامی نظام کے قیام کے اعتبار سے انتخابی سیاست پر علامہ اقبال کی یہ پھبتی صد فیصد چسپاں ہوتی ہے کہ

الیکشن ' ممبری ' کرسی ' صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

کاش کہ جملہ مذہبی جماعتیں علامہ اقبال کے بقول ''اپنے عمل کا حساب'' کر سکیں اور یہ جان لیں کہ اسلام کے مکمل نظام کا قیام انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
جس میں نہ ہو انقلاب' موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات' کشمکشِ انقلاب

دعائے صحت

عبداللطیف کھوکھر صاحب جن کا تعلق تنظیم اسلامی کراچی سے ہے' آج کل شدید علیل ہیں۔ قارئین سے ان کے لئے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

ضرورت رشتہ

بیٹی عمر ۲۵ سال' تعلیم انٹر' پابند صوم وصلوٰۃ' سلائی کڑھائی اور امور خانہ داری سے واقف' والد حکومت سندھ میں ذمہ دار عہدے پر فائز' سابقہ تعلق حیدرآباد دکن' اردو سپیکنگ فیملی کے لئے برسر روزگار' صوم وصلوٰۃ کے پابند لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ صرف والدین خط وکتابت کریں۔
رابطہ: سید فضل الحق ولد سید عبدالرحمٰن' F-136/19 آصف کالونی نزد آصفیہ جامع مسجد منگھو پیر روڈ' کراچی

تنظیم اسلامی لاہور چھاؤنی کے زیر اہتمام سیرت النبی ﷺ سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

ربیع الاول کا مہینہ حضور ﷺ کے ذکر جمیل سے لبریز و معمور ہو کر گزرتا ہے۔ تقریریں ہوتی ہیں' وعظ کہے جاتے ہیں' جلسے منعقد ہوتے ہیں اور اجلاس ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ ان سب کا مقصد نبی مکرم ﷺ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اور اتباع اور پیروی کے حوالے سے ایک ولولہ تازہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں پیغمبر کائنات ﷺ کی محبت کا جذبہ اور اتباع کی توفیق مل جائے۔

تنظیم اسلامی لاہور چھاؤنی کے خوش خصال امیر جناب وسیم صاحب نے امیر حلقہ لاہور کی وساطت سے اپنے علاقہ میں ''سیرت النبی ﷺ کے عملی پہلو'' کے زیرعنوان امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کا پروگرام طے کیا۔ اس پروگرام سے اہل علاقہ کو باخبر کرنے کے لئے دعوتی اشتہار علاقہ کی مساجد میں منظم انداز میں تقسیم کئے گئے' کئی ایک بینرز آویزاں کئے گئے' انفرادی سطح پر احباب کو دعوت نامے بھی دیئے گئے۔ گویا مربوط اور منظم طریقے سے جلسہ کی تشہیر کا پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچایا گیا۔ جلسہ کا طے شدہ دن آن پہنچا۔ شادی ہال بمقام والٹن روڈ حاضرین سے کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ خواتین کی بھی خاصی معقول تعداد حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی سیرت کے تقاضے سننے کے لئے گوش بر آواز تھی۔

امیر حلقہ لاہور مرزا ایوب بیگ نے بطور سٹیج سیکرٹری اپنی ذمہ داری سنبھالی اور امیر تنظیم کو سٹیج پر اپنی مخصوص نشست پر رونق افروز ہونے کی دعوت دی۔ جلسہ کا آغاز اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی آیات بینات کی تلاوت سے ہوا۔ محترم قاری عطاالرحمٰن نے یہ سعادت حاصل کی۔ تلاوت کے بعد سرور کائنات ﷺ کی شان والا صفات میں حافظ مرغوب ہمدانی نے ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

اس کے بعد امیر حلقہ لاہور نے امیر تنظیم اسلامی کا سوانحی خاکہ مختصراً پیش کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے بچپن سے جوانی اور جوانی سے کہولت تک کا سفر کیسے اور کن مراحل سے طے کیا' یہ سب انہوں نے انتہائی اختصار اور جامعیت سے بیان کیا تا کہ حاضرین اور مقرر کے مابین کوئی حجاب نہ رہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے اپنے خطاب سے پہلے سورہ صف کی وہ مشہور آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ ''وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ اور دین دے کر تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے۔''

امیر محترم نے حاضرین جلسہ کو سیرت النبی ﷺ کے اس بامقصد پروگرام میں شرکت کرنے پر مبارک باد دی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی عظمت کو تو ان کے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپؐ دنیا کے بہترین انسان ہیں۔ آپؐ نے انفرادی اور اجتماعی ہر دو شعبوں میں مکمل تبدیلی لا کر دنیا کے عظیم ترین انقلاب کی بنیاد رکھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپؐ کی سیرت مطہرہ بھی ہر انسان کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی ایک شان تو وہ ہے جس کو بیان کرنا انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے کیونکہ آپ کا مقام انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ ایک انگریز سکالر ایچ جی ویلز اپنی کتاب میں آپؐ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''انسانی حریت' انسانی اخوت اور انسانی مساوات پر وعظ تو بہت کہے گئے مگر ان اصولوں پر باقاعدہ ایک معاشرے کی تشکیل پہلی دفعہ حضورؐ کے دست مبارک ہی سے ہوئی۔ آپؐ نے چودہ سو سال قبل انسانیت کو وہ اجتماعی نظام عطا فرمایا جس میں خلیفہ یعنی حاکم وقت سے ایک عام شہری بھی بر سر منبر سوال و جواب کر سکتا تھا۔ ایسی آزادی اور حریت آج کے جدید جمہوری نظام میں بھی عنقا ہے''۔

امیر تنظیم اسلامی نے حضور ﷺ کے مقصد بعثت کی امتیازی شان اور نمایاں خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آپؐ کی آمد کا مقصد پوری دنیا پر دین حق کو غالب کرنا تھا۔ غلبہ دین کی اسی مقدس اور مبارک جدوجہد میں آپؐ نے اپنے وفادار صحابہؓ کی ہم رکابی میں مشکلات برداشت کر کے' قربانیاں پیش کر کے' خون کا نذرانہ دے کر ایسی تابندہ مثالیں پیش کیں کہ جن کو اپنا کر آج بھی دین کے غلبہ کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپؐ نے قرآن کی دعوت سے لے کر میدان جہاد تک کے سفر میں شریک ہو کر غلبہ دین کا طریق کار اور سنگ ہائے میل نمایاں کر دیئے۔ مگر افسوس کہ آج کی دینی قوتیں افراط و تفریط کا شکار ہیں' کچھ لوگ دعوت و تبلیغ ہی کو ''منزل مراد'' بنائے ہوئے ہیں جبکہ کچھ حضرات ووٹوں پر مبنی سیاست کے مستقل بھکاری بن کر بے مقصدی کے صحرا میں گم ہوا چاہتے ہیں۔ ''بیلٹ'' کی آسان باش سیاست کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ ''بلٹ'' کی زبان کو اپنا لائحہ عمل قرار دیتے ہیں حالانکہ ''بیلٹ اور ''بلٹ'' کے درمیان بھی ایک راہ عمل موجود ہے جسے آپ ''نہی عن المنکر ''یعنی حرام کاموں کے خلاف تحریک مزاحمت کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ اس تحریک کے لئے غیر مسلح اور منظم ہونا ازحد ضروری ہے۔ یہ تحریک اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب غلبہ اسلام کی جدوجہد کے لئے اسلامی نظم جماعت کو اختیار کیا جائے گا۔ مروجہ جمہوری آداب و اطوار اور پارٹی بازی کے اصول ''حزب اللہ'' کے شایان شان ہی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ سودی نظام کا جاری رہنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف ہے۔ بینکوں کا کردار ''بازار گناہ'' سے بھی زیادہ گھناؤنا ہے۔ —— اللہ تعالیٰ ان تمام رفقاء و احباب کو خصوصی اجر عطا فرمائے جنہوں نے اس جلسہ کے لئے بھاگ دوڑ اور جدوجہد کی۔ جلسہ کے اختتام پر بریگیڈیئر غلام مرتضٰی صاحب کی رہائش گاہ پر امیر محترم' امیر حلقہ لاہور' مقامی تنظیموں کے امراء کے لئے ضیافت کا اہتمام بھی تھا۔

(مرتب: نعیم اختر عدنان)

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں نے سودی نظام کے خلاف یوم احتجاج منایا

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ (زیریں) نے سودی نظام معیشت کے خلاف جمعہ کو یوم احتجاج منایا۔ اس موقع پر مسجد جامع القرآن ڈیفنس میں اعجاز لطیف' مسجد طیبہ کورنگی میں انجینئر نوید احمد اور جامع مسجد نیول کالونی میں شجاع الدین نے جمعۃ المبارک کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نظام باطل کے علم برداروں نے سپریم کورٹ سے سودی نظام معیشت کے خاتمے کے لئے مزید ایک سال کی مہلت تو حاصل کر لی ہے لیکن انہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر وہ اپنی چالیں چل رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی چالیں چل رہا ہے اور وہ بہترین چالیں چلنے والا ہے۔ مقررین نے عوام سے اپیل کی کہ وہ یونائیٹڈ بنک سے اپنی رقوم نکال کر اور اس کے خلاف اپنا احتجاج جاری رکھ کر دینی غیرت کا ثبوت دیں تا کہ آئندہ کسی کو شرعی نظام کے نفاذ میں روڑا اٹکانے کی جرات نہ ہو سکے۔

تنظیم اسلامی لاہور (شرقی) کے زیر اہتمام شب بسری

۱۶ جون بروز ہفتہ بعد نماز عشاء قرآن اکیڈمی کی جامع القرآن مسجد میں لاہور (شرقی) کے زیر اہتمام شب بسری کا پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز بعد نماز عشاء درس قرآن سے ہوا۔ جناب حافظ محمد زبیر نے سورہ ق کا درس دیا۔ جناب حافظ خالد محمود خضر نے نماز کے مسائل پر گفتگو کی۔ انہوں نے تیمم اور نماز کے ٹوٹنے کی وجوہات کو مفصل بیان کیا۔ وقفہ کے بعد نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس کا اجتماعی مطالعہ کرایا جو ایک گھنٹہ سے زائد جاری رہا۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی کو قائم کرنے کے لئے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پیش نظر اصل ہدف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ اسی لئے تنظیم اسلامی کے مقاصد میں یہ چیز شامل ہے کہ فرد واحد کی اصلاح سے لے کر زندگی کے تمام گوشوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع کر دیا جائے اور اسی کے لئے تنظیم اسلامی کوشاں ہے۔ تقریباً ایک بجے رات کے بعد سونے کا وقفہ ہوا۔ پھر نماز تہجد کے لئے رفقاء بیدار ہوئے۔ نماز فجر کے بعد ڈاکٹر عارف رشید نے درس حدیث دیا جس کا موضوع تھا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ آخر میں راقم نے بعض تنظیمی اطلاعات کا اعلان کیا۔ (رپورٹ: عبدالمتین)

باجوڑ میں ہونے والی مبتدی تربیت گاہ

تنظیم اسلامی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے جو قرآن وحدیث کی ٹھوس اساس پر اسلامی انقلاب کے لئے کام کر رہی ہے۔ تنظیم کے انقلابی فکر کے ساتھ ساتھ اس کا طریقہ کار بھی انقلابی ہے۔ چنانچہ فکر، طریقہ کار اور ایک انقلابی جماعت کے لئے قرآن وحدیث میں جہاں جہاں مواد ملتا ہے، انہی مواد پر جو لٹریچر مرتب کیا گیا اس میں بھی انقلابیت کے تمام پہلو موجود ہیں۔ صوبہ سرحد کے علاقوں میاندم اور بحرین میں اب تک تین کامیاب تربیت گاہیں ہوئی ہیں، جن میں مجموعی طور پر تقریباً تین سو افراد تنظیم اسلامی کی بنیادی تربیت حاصل کر چکے ہیں۔ اس پس منظر میں اس بار مبتدی تربیت گاہ کے لئے علاقہ باجوڑ کا انتخاب کیا گیا، جس کا مطالبہ تنظیم اسلامی باجوڑ کے رفقاء کی طرف سے تھا۔ چنانچہ یکم تا سات اپریل باجوڑ میں مبتدی تربیت گاہ کا انعقاد ہوا۔ تنظیم اسلامی باجوڑ کے امیر گل رحمان پروگرام کے منتظم اور میزبان تھے۔ دوسرے رفقاء میں یار زمان، شیر محمد اور محمد نعیم کی شرکت بھی کل وقتی بنیاد پر تھی۔ الہدیٰ پبلک سکول کی وسیع وعریض بلڈنگ میں اس پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام میں ۱۵ رفقاء اور ۱۸ احباب شریک رہے۔ ناظم تربیت چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب مرکز سے تشریف لائے تھے جبکہ نائب ناظم کی ذمہ داری راقم کے سپرد تھی۔ اگرچہ یہ پروگرام معمول کا تنظیمی کام تھا مگر چند باتوں نے اسے دوسری تربیت گاہوں سے ممتاز کیا۔

(۱) مقامی لوگ اگرچہ تربیت گاہ کے باقاعدہ شرکاء نہیں تھے لیکن انہوں نے تربیت گاہ کی اکثر وبیشتر نشستوں میں شرکت کی۔ چنانچہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تربیت گاہ سے کم از کم تین سو افراد مستفید ہو گئے ہوں گے۔ (۲) رحمت اللہ بٹر صاحب نزدیک کی مسجد میں ہر نماز کے بعد درس حدیث جبکہ راقم نماز فجر کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے۔ (۳) تربیت گاہ کی تیسری بات علماء کرام کا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى کا بے پناہ جذبہ تھا۔ علماء کرام میں بعض تو تربیت گاہ کے باقاعدہ شرکاء میں سے تھے جبکہ بعض علماء جز وقتی بھی شریک ہوتے رہے۔ پیریڈ کے بعد علماء کرام سوالات کرتے۔ ناظمین تربیت سوالات کے تسلی بخش جوابات دیتے۔ (۴) تربیت گاہ میں تمام رفقاء نے مل جل کر ایثار و ہمدردی، اخوت اور بھائی چارے کا مظاہرہ کیا۔ (۵) تربیت گاہ کی پانچویں بات امیر حلقہ سرحد شمالی اظہر بختیار خلجی کی کامیاب حکمت عملی تھی۔ آپ نے پہلے سے تربیت گاہ کے سارے لوازمات پورے کر دیئے تھے، جس سے تربیت گاہ کا اندرونی نظام باقاعدگی سے جاری و ساری رہا۔ تربیت گاہ میں مکتبہ لگا دیا گیا تھا جو تربیت گاہ کے حسن و خوبی کو چار چاند لگا رہا تھا۔ مکتبہ کی نظامت کی ذمہ داری حلقہ سرحد شمالی کے ناظم مالیات نصر اللہ کے سپرد تھی۔ (۶) ناظمین تربیت نے تربیت کا نصاب اس حسن وخوبی کے ساتھ پڑھایا جس سے مقامی آبادی کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت ممکن ہوئی۔ لوگوں کے جوش وخروش کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فارغ اوقات میں بھی وہ کسی نشست کے انعقاد کا مطالبہ کرتے۔ پھر انہیں یا تو امیر محترم کا ویڈیو کیسٹ دکھایا جاتا یا راقم کسی موضوع پر لیکچر دیتے۔ اللہ ہمیں ایسے پروگراموں کے زیادہ سے زیادہ انعقاد کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین

(رپورٹ: مولانا غلام اللہ حقانی)

بقیہ : منبر ومحراب

اصولی فیصلہ شاید اسی طور پر ہو چکا ہے جیسا کہ میں ایک عرصے سے تجویز دیتا آ رہا ہوں کہ موجودہ آزاد کشمیر کو مستقل پاکستان کا حصہ بنا دیا جائے اور کشمیر کے ہندو اکثریتی علاقے بھارت میں ضم کر دیئے جائیں اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے اور انہیں تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔ نظر ایسا آ رہا ہے کہ اب جو مذاکرات ہونا ہیں وہ صرف وادی کا سٹیٹس طے کرنے سے متعلق ہیں۔ اس ضمن میں بھی درست راستہ یہ ہوگا کہ وادی کے رہنے والوں سے بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کے حوالے سے رائے شماری کرائی جانی چاہئے۔ البتہ اگر وہ خود آزاد رہنے کے حق میں ووٹ دیں تو اس پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں دنیا میں موجود ایک چھوٹی سی ریاست ''اینڈورا'' کی مثال سے بھی رہنمائی حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جو آزاد ہونے کے باوجود مشترکہ طور پر دو پڑوسی ممالک سپین اور فرانس کے زیر انتظام ہے۔

افغانستان میں شمالی اتحاد کے لیڈر احمد شاہ مسعود کی طرف سے طالبان کو گھیرے میں لینے کے دعوے اور اسامہ کے مسئلہ پر طالبان کے خلاف بھارت اور امریکہ کی مشترکہ حکمت عملی تشویش ناک ہے۔ دعا ہے کہ اللہ شمالی اتحاد کے لیڈروں کو ہدایت دے تاکہ وہ اسلام دشمن طاقتوں کے آلۂ کار بننے کی بجائے اسلامی نظام کے قیام میں طالبان کے ہاتھ مضبوط کریں۔ بصورت دیگر اللہ طالبان اور اسلام کے دشمنوں کو اپنے ناپاک عزائم میں ناکامی سے دوچار فرمائے۔

تحریری مقابلہ

تنظیم اسلامی لاہور (شرقی) کے زیر اہتمام امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے کتابچوں کی تلخیص پر مبنی ماہانہ تحریری مقابلوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ماہ جولائی کا موضوع ہے:

فرائض دینی کا جامع تصور

شرائط شمولیت:

۱۔ مقابلہ میں شرکت کے لئے تنظیم اسلامی کا رفیق ہونا ضروری نہیں ہے۔
۲۔ تحریر آسان اور سادہ ہو۔ کاغذ کے ایک طرف، ایک سطر چھوڑ کر صاف اور خوش خط تحریر کریں۔
۳۔ کتابچے میں پیش کردہ اصل فکر اور مرکزی مضمون سے انحراف نہ کیا جائے۔
۴۔ مضمون بھجوانے کی آخری تاریخ ۲۵ جولائی ہے۔ اس کے بعد موصول ہونے والے مضامین مقابلہ میں شامل نہ ہو سکیں گے۔

مضامین درج ذیل پتہ پر ارسال کئے جائیں:

حافظ خالد محمود خضر، 36-K، ماڈل ٹاؤن، لاہور

دعائے مغفرت

گزشتہ دنوں تنظیم اسلامی کوئٹہ کے ملتزم رفیق جناب جاوید انور کی والدہ ماجدہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ تمام رفقاء واحباب سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللهم اغفرلها وارحمها وادخلها فی رحمتک

امیر تنظیم کا مجوزہ دورۂ شمالی پنجاب

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حلقہ پنجاب شمالی کے دورہ کے دوران اسلام آباد اور واہ کینٹ میں درج ذیل مقامات پر درس قرآن دیں گے۔

(۱) ۱۶ جولائی۔ بعد نماز مغرب۔ پی او ایف ہوٹل واہ کینٹ
(۲) ۱۷ جولائی۔ بعد نماز مغرب۔ کمیونٹی سنٹر آبپارہ اسلام آباد

مقامی رفقاء واحباب سے شرکت کی درخواست ہے۔

say of that being practised. According to Christopher Mitchell, who is the director of a documentary on Qaid-e-Azam's life, "Jinnah had one idea of Pakistan, but the mass of Muslims who supported him had quite different idea." And this idea of the mass is what really counts in shaping vision of a state, not the drinking or eating ham sandwiches of their Qaid.

After thorough research Christopher Mitchell has concluded that: "You can try to apprehend Jinnah's greatness as a mass leader intellectually, but the support which he got was from people... The basis of Jinnah's appeal was the Cry of Islam." This shows that we didn't move from the founding vision of the masses in 1930s'and 40s'. The central part of the articles appeared in Himal and some Pakistani papers is that all prevalent ills in Pakistan are because of its ideological constitution, and these ills can only be corrected by making Pakistan a secular state. A very superficial, substance-less perception.

The key element in the constitution regarding Pakistan being an ideological state (as opposed to secular state) is that no laws will be framed which are inconsistent with Quran and Sunnah. As far freedom of religion, it is certainly guaranteed in the Objective Resolution, which is an operative preamble to the constitution. The word "freely" is certainly present there. It doesn't make any difference if it is missing from the same document in the annexed form, because it is guaranteed in Islam, and is so assured in the constitution. When the constitution says, "every citizen shall have the right," it means all Muslim and non-Muslim citizens. The missing word "freely" in the annex is thus missing for all citizens. It must be a typing error and should be corrected to avoid trivial arguments by some secular fundamentalists.

India is a transparent example of hypocrisy in the name of secularism. Yes, India is more advanced than Pakistan, but it is wrong to assert that this advancement is on account of a "secular constitution." How secular is India will become apparent by a cursory reading of the BJP and its militant arm RCS manifesto; the premise to pass legislation to prohibit the slaughter of cows (not for love of animals but purely on Hindu religious myth) -- in the words of secularist on superstitious dogma of a religion; introduction of a uniform civil code (in place of separate civil laws for different communities), or construction of a Hindu temple on the site of destroyed Babri Mosque - destroyed under the nose of secular government.

As for human and economic development - to what degree has it been achieved in India. The beneficiary is Hindu majority, while 90 million Muslims lag behind with a significant margin. Most of the Muslims are living in abject poverty, except a handful selected for showcase of secular Indian democracy. As to more advanced democratic states, take an example of the US. To be factual, let us make a list of their specific "advancements" and try to find their link with secularism. No convincing link will be found.

We can also prepare a list of moral depravity, ethical degeneration, non-fulfilment of soul and spiritual unhappiness. An in-depth examination would show that they are the consequences of secularism, which in the long term makes the soul and the spirit of a society hallow and the culture a sham, an artificiality deprived of real value. Their secular, faithless practical lives have deprived them of the ability to search their souls as a society, go beyond their self-gratifying "success," and redefine success, happiness and fulfilment. Only then true understanding and respect for human life, for the purity of women and integrity of men, could be rediscovered. That is possible only in an ideological state, a God-centred constitution, not man and money centred constitution and culture.

One can search the history for prominent examples of violation of human rights - one example is the highly publicised Holocaust, Jews were killed in secular Germany and Europe. What about slavery in the US? Was that too done in the name of God? In contemporary times, the US has taken it upon itself to be the judge of human rights violations. The secularists must see in the list the US publishes as to how many countries with secular constitution are included. Everywhere, secularism is only a slogan to pave the path to power.

Materialism denies God. Secularism simply ignores him; at least that was the earlier attitude. More recently, secularism has assumed a more militant attitude, assuming to take the place of the religion whose totalitarian bondage it one time resisted.

On February 12, 1998, the leader of India's Hindu nationalists, Lal Krishna Advani expressed that Pakistan, and Bangladesh should reunite with India (Pakistan Link, Feb. 13, 1998). This explains the sudden impetus of secularist propaganda in Pakistan and abroad, whose approach is: step one, Secular state; step two, Reunion. Are we ready for such a reunion? Would it be according to our founding vision? If we have to live under a secular government -- and if we are willing to live -- what was the need for all the bloodshed and suffering for two separate states fifty years ago? Why not listen to Advani and reunite Pakistan with India to end the waste of resources on defence and needless hostility?

انا للہ وانا الیہ راجعون

تنظیم اسلامی اسرہ ٹوبہ کے نقیب جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن کی والدہ محترمہ ۲۶ جون کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئی ہیں۔ رفقاء و احباب سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللھم اغفر لھا وارحمھا وادخلھا فی رحمتک و حاسبھا حسابا یسیرا

Abid Ullah Jan

Controversy about the founding vision.

Has our internal crisis been made worse because we have deviated from the path Jinnah had chartered? What was, in fact, our founding vision and what has gone wrong during the past 51 years which is leading us into ever increasing instability and chaos? One answer coming from the writers from within and without Pakistan is: Jinnah had a secular vision for Pakistan, but we have drastically redrafted his secular view and plunged this country into confusion and disorder. We have to pragmatically analyse the charge that we presently have an Islamic government, which has committed blasphemy by placing our faith in God rather than people. And unless we turn from our Islamic ways and turn back to people and the "Qaid's vision," a great calamity will come upon us.

For instance, three articles, written by Pakistani writers, appeared in the South Asian magazine "Himal" (Feb. 1998) and all of them stressed on Jinnah as a liberal, as a progressive young lawyer, whose vision of Pakistan was ruined by Gen. Zia's fanaticism. The charges made there in are: * Jinnah was "a liberal man," who "drank alcohol and ate sandwiches." * Minorities cannot freely practice religion in Pakistan because the word "freely" has been removed from the Objective Resolution that is an operative annex to the constitution. * Minorities are not allowed to vote together with other citizens in a joint electorate. * Christian and Hindu marriages stand annulled after the wife converts to Islam. * The "break from Jinnah has plunged Pakistan into sectarian chaos." * Due to this "break from Jinnah" has "complicated Pakistan's relations with India and Indians seem less interested to normalise ties with a country that will soon be punished by the world" for being not a secular state.

As far Qaid-e-Azam, the first point is that we have matured as a people in the past fifty-one years. Fifty-one years of relying upon what the Qaid wanted or didn't want has brought us nothing except Jesuitical hairsplitting of the Qaid's speeches.

We need not to manufacture quotes from Qaid's life to fit to the vogue of the day, be it secularism, or privatisation, or imposing emergency and martial law. The fact of the matter is it doesn't make a big difference what Qaid has said or thought because this country has never been his estate to be developed exactly in accordance with his wishes alone. It belongs to the people of Pakistan and what matters most is to see whether it is being run in accordance with the wishes of its people.

Furthermore, Qaid may not have wanted Pakistan to be a "theocracy" in the sense that it should be governed by "narrow-minded maulvis like the Taliban." In that sense, in its fifty years history Pakistan has never been a "theocratic state." But Q.A did want Pakistan to be a Muslim State. It is a historical fact that Q.A. was the architect of the "two nation theory." It can be argued that Q.A didn't have the religious aspect in mind, but was focussed on economic well being of the Muslims by making at least a part of Muslim nation free from economic domination by Hindus. With a secular mentality he would never have thought of Muslims as a separate nation just as many of the seculars do not differentiate between Muslims and anyone from any other religion. To further understand Jinnah's vision of an independent state, Carl Posey writes in the Time December 23, 1997, that Jinnah "had discovered in the congress Party's dismissive treatment of the league the one thing worse than British rule: Hindu Raj. Islam, he began to caution his auditors, was in danger...Islamic culture would be diluted to extinction in a Hindu sea." **It proves that Jinnah was conscious of Islam and the Islamic culture and didn't want them to be diluted in a Hindu or secular culture. All the latest efforts of the seculars are directed at the dilution of Islam under the labels of moderation" and "liberalism."**

It is, however, inconceivable that in a Muslim state free sex, free drinking, legalisation of homosexuality and gambling, consigning old age parents to dilapidated old age shelters, separation of personal moral character from "official functions and performance" (Clinton model) - just a few examples of the by-products of secularism - would be permitted without restriction and be tolerated. Why not take an opinion poll now – forget about Zia's referendum and fanaticism. The myths are raised to a theoretical plan by asserting that "our secularism is different from secularism of the West." From such absurdity one moves to the confusing array of "our definitions" of visions and secularism. We must recognise the difference in "freedom of religion" and "freedom from religion." **In China, the enemies of Islam talk about "freedom of religion" considering it would hurt the Chinese might, but for us their recipe is "freedom from religion," strongly believing that only this can lead to taking the sting of resistance from the Muslim Ummah.**

There is a need to elate to a clear ideology. In this case the ideology cannot be anything other than Islam. So, what Q.A. said or did not say, has little relevance to Pakistan's current situation. Qaid-e-Azam also gave the guideline of "unity, faith and discipline" - not even mentioned anymore, what to

Vol : 10 Regd. CPLNo. 127 No. 24

WEEKLY NIDA-I-KHILAFAT LAHORE

افہام و تفہیم

☆ قرآن مجید سے تعلق پیدا کرنے کے لئے قرآن خوانی اور دورۂ ترجمہ قرآن میں کیا کوئی مماثلت ہے؟

☆ کیا نبی اور رسول قتل ہوئے ہیں؟ ☆ کیا حضرت خالد بن ولیدؓ نے قبولِ اسلام کے بعد جنگِ اُحد کے واقعہ پر اظہارِ افسوس کیا تھا؟

☆ غزوۂ احد میں کفار کو میدان چھوڑنے کے بعد دوبارہ حملہ کا حوصلہ کیسے پیدا ہو گیا؟ ☆ ''نذر'' اور ''منت'' میں کیا فرق ہے؟

قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے سوال و جواب کی نشست

س: لوگوں میں قرآن مجید پڑھنے کا شوق اور شعور پیدا کرنے کے لئے قرآن خوانی کی محافل منعقد کرنا کیا اسی زمرے میں آ سکتا ہے جیسا کہ آپ کی جانب سے اس مقصد کے لئے نماز تراویح میں دورۂ ترجمہ قرآن کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے؟

ج: دورہ ختم قرآن کا تعلق دراصل نماز تراویح کے ساتھ ہے۔ نماز تراویح سنت بلکہ بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے۔ ہم نے قرآن مجید کے ترجمہ کو اس کے ساتھ جوڑا ہے تاکہ قرآن مجید کا جتنا حصہ نماز تراویح میں پڑھا یا سنا جائے اس کا ترجمہ بھی شرکاء کے سامنے آ جائے۔ جبکہ محض قرآن خوانی کے لئے ہمیں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سیرت سے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس حوالے سے ان دونوں میں مماثلت تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ قرآن مجید کا شوق اور اس کے فہم کے حصول کا شعور اور ادراک عام کرنے کے لئے آپ اور طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ مثلاً اس مقصد کیلئے عربی کلاسز شروع کی جا سکتی ہیں یا پھر قرآن مجید کے درس کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ محض مروجہ طریقہ کار کے مطابق قرآن خوانی کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو یہاں تک پتہ نہیں چلتا کہ کوئی صحیح پڑھ رہا ہے یا غلط۔ یہ تو بس ایک رسم پوری ہو رہی ہوتی ہے۔

س: کیا نبی اور رسول قتل ہوئے ہیں؟ اس کی وجوہات اور پس منظر پر روشنی ڈالئے۔ نیز کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو زہر دیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل بھی بیان کیجئے۔

ج: حضور اکرم ﷺ کو زہر دینے کا معاملہ تو تقریباً متفق علیہ ہے۔ بخاری شریف میں ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے جن کے مطابق حضور ﷺ کو کئی مواقع پر زہر دیا گیا تھا۔ لیکن کیا حضور ﷺ کا انتقال اسی زہر کی وجہ سے ہوا' یہ ایک علیحدہ معاملہ ہے اور ایک ایسی رائے ہے جس سے اتفاق کرنا خاصا مشکل ہے۔

نبی اور رسول کا معاملہ اس تمثیل سے (بلاتشبیہ) سمجھنا چاہئے کہ جیسے پولیس کا کوئی اہلکار جبکہ وہ وردی میں ہو اور پھر جب وہ وردی کے بغیر ہو۔ ان دونوں حالتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگر وہ وردی میں ہو اور آپ اس پر حملہ کریں تو اس سے اس کی ذات کے بجائے حکومت سے تصادم مراد لیا جائے گا لیکن اگر وہ سادہ کپڑوں میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس پر ذاتی حوالے سے حملہ کیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی نبی معین طور پر رسول بن جاتا ہے تو اس کی حیثیت اللہ کے نمائندے کی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ ''اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول لازماً غالب رہیں گے''۔

البتہ نبی کا معاملہ یہ ہے کہ گویا ابھی اس کی باقاعدہ تقرری نہیں ہوئی ہے یا یوں سمجھئے کہ وہ بغیر وردی کے ہے۔ نبیوں کے خلاف اقدام بھی ہوئے ہیں اور ان کو قتل بھی کیا گیا' جیسے حضرت یحییٰ قتل کر دیئے گئے۔ لیکن رسولوں کا معاملہ مختلف ہے' وہ قتل نہیں ہوئے۔ اللہ اپنے رسولوں کو غالب کرتا ہے یا نافرمان قوم کو عذاب کے ذریعے ختم کر دیا جاتا ہے۔

س: کیا حضرت خالد بن ولیدؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد جنگ احد کے واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا تھا؟

ج: اس حوالے سے اگرچہ وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یقیناً تاسف کا اظہار کیا ہو گا۔ البتہ یہ ذہن میں رکھئے کہ اس پر مواخذہ کوئی نہیں ہے۔ کفر کی حالت میں جو بھی بڑے سے بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو' اسلام لانے سے سابقہ تمام جرائم اور گناہ بالکل معاف ہو جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ایسی تین چیزوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کی سابقہ زندگی کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ (۱) کفر سے اسلام لے آنا' (۲) اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا' یعنی گھر بار' اہل و عیال کو صرف اللہ کی رضا کے لئے چھوڑنا اور (۳) حج مبرور' یعنی وہ حج جو نیت کے اخلاص اور خالص حلال کمائی سے کیا گیا ہو اور جس میں سارے احکام اور مناسک صحیح طور پر پورے کئے گئے ہوں۔ ان تین چیزوں سے پچھلی پوری زندگی کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

س: غزوۂ احد کی ابتداء میں جب مسلمانوں کو ظاہری کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے تو کفار میں دوبارہ عقب سے حملہ کرنے کا حوصلہ کیسے پیدا ہو گیا؟

ج: کفار کی فوج میں بھگدڑ مچنے کے باعث لوگ بھاگ تو رہے تھے لیکن انہوں نے اور ان کی قیادت نے یہ فیصلہ تو نہیں کیا تھا کہ ہم ہار گئے ہیں۔ خالد بن ولید جو کہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے بلکہ مشرکین کی فوج کے ایک دستے کی کمانڈ کر رہے ہیں' انہوں نے دیکھ لیا کہ پیچھے سے درہ خالی ہے۔ واضح رہے کہ وہاں حضور ﷺ نے پچاس تیر انداز کھڑے کئے تھے لیکن جب کفار بھاگ نکلے تو ان تیر اندازوں کی اکثریت نے وہاں متعین لوکل کمانڈر کے منع کرنے کے باوجود فتح حاصل ہونے کے گمان سے وہ درہ خالی کر دیا۔ خالد بن ولید نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پورے کوہ احد کا چکر لگا کر وہاں سے حملہ کر دیا جس کے باعث مسلمانوں کو کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس واقعہ میں مسلمانوں کے لئے سبق یہ ہے کہ جماعتی زندگی میں (یا جہاد کے موقع پر) لوکل کمانڈر کی اطاعت میں کوتاہی بھی اللہ کی نظر میں قابل مواخذہ ہے۔

س: سورۂ آل عمران میں حضرت مریم کی والدہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے دے دیں گی۔ ان کی نذر اور ہماری آج کل کی ''منت'' میں کیا فرق ہے؟ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ منت ماننا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے سودے بازی کر رہے ہوں۔

ج: واضح رہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے کوئی سودا نہیں کیا تھا کہ اے اللہ تو یہ کر دے تو میں یہ کر دوں گی' جب کہ ہم بالعموم جو منت مانتے ہیں اس میں سودا ہوتا ہے کہ اے اللہ میرا یہ کام ہو جائے تو میں اتنے نفل پڑھوں گا یا میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنے غریبوں کو کھانا کھلا دوں گا۔ حضرت مریم کی والدہ نے تو اپنے ہونے والے بچے کو ہیکل کی خدمت کے لئے صرف وقف کیا تھا۔ یہ یک طرفہ کام ہے' جو محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا' اس میں سودے بازی کا کوئی سوال نہیں تھا۔